3

وفات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف ۰ ذوالی ز

از محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر: مفتاحی اکیڈمی مئو اعظم گڈھ

وفاتِ سرورِ کائنات

از

محمد سراج الحق مچھلی شہری

مصنّف :- مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری
ناشر :- مفتاح اکیڈیمی۔ مئو۔ اعظم گڑھ
طابع :- اسرار کریمی پریس الہ آباد
قیمت :- ایک روپیہ ۲۵ پیسے
سن :- ۱۳۸۷ھ
۱۹۶۷ء
تعداد :- ایک ہزار

ملنے کے پتے :-

- مصنّف سے۔ حسن منزل الہ آباد۔۳
- مفتاحی بک ایجنسی مئو۔ اعظم گڑھ
- مکتبہ اسلامی ادب۔ للہ پورہ فاطمان وارانسی۔۱
- الجمعیۃ بک ڈپو۔ گلی قاسم جان دہلی ۶

باسمہٖ سبحانہٗ

عرضِ مؤلّف

(۱) تاریخ اسلام میں تین دَور ایسے گذرے ہیں جن میں دشمنان دین نے بہت سے حقائق کو مسخ اور ان میں بہت سی دور رس تحریفات شامل کر دی ہیں. آج ۹۹ فی صد مسلمان اکثر حقائقِ تاریخیہ سے بیخبر اور مسخ شدہ تاریخ ہی پر قانع و مطمئن ہیں. میرے نزدیک جو مسلمان. خاصکر عالم. ان تینوں ادوار کے وقائع کو جدل و تیقظ کی نظر سے نہ دیکھے گا اور انکا مطالعہ ابن تیمیہؒ حرّانی اور عبد الشکورؒ فاروقی کاکوروی رحمہما اللہ کے کارخانوں کی عینکوں سے نہ کریگا وہ دشمنانِ دین کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے بچ نہیں سکتا. وہ ادوار یہ ہیں:-

الف:- حضور کی علالت اور وفات کا دَور استخلافِ صدّیق رضؓ تک۔

ب:- خلافت عثمانی کے آخری چھ سال (سنہ ۳۰ھ) سے لیکر سانحۂ کربلا (سنہ ۶۱ھ) تک

ج:- سنہ ۵۰ھ سے سنہ ۱۵۰ھ تک امت کی ذہنی اور فکری تاریخ۔

(۲) رجب سنہ ۱۳۸۴ھ میں یکے بعد دیگرے تین چار آدمیوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کیوقت آپکے پاس کون کون سے صحابہؓ موجود تھے۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے دو ایک آدمیوں کو زبانی بتا دیا مگر جب پھر بھی کچھ آدمیوں نے یہی سوال کیا تو مجھے وجہ معلوم کرنیکی فکر ہوئی تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی صاحب نے

کسی صحابیؓ اور صحابیہؓ پر نعوذ باللہ کم فہمی اور حُبِّ دنیا کا فرسودہ اتہام دُھرا کر اپنے نامۂ اعمال میں بدگوئی صحابہ کا اضافہ کیا ہے اسی استفسار کے سلسلہ میں بعض احباب نے یہ اصرار کیا کہ وفاتِ نبوی کے واقعات کو اگر تحقیق اور عمدہ ترتیب سے جمع کر دیا جائے تو بہتر ہو۔ میں نے بھی یہ سوچکر تعمیل حکم احباب میں کوشش شروع کر دی۔ کہ اسی بہانہ سیرتِ نبوی کے اس گوشہ کی کچھ خدمت مجھ ناکارہ سے بھی ہو جائے شاید آخرت میں اسی سے نجات حاصل ہو۔

میں نے اس رسالہ میں حضورؐ کی علالت اور وفات کے وقائع کو اس طرح جمع کیا کہ پہلے متعدد مصنفین کی کتابیں خود بغور پڑھیں ان میں جس کا قول زیادہ قوی اور راجح معلوم ہوا صرف انھیں وقائع کو تاریخ وار جمع کیا۔ عنوان میں تاریخ اور دن لکھ کر اس تاریخ کے حالات کو پہلے واقعہ کے عنوان سے لکھا ہے پھر تشریح کا عنوان دیکر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

حضورؐ بقول مشہور تیرہ روز علیل رہے۔ میں نے اس تحریر میں یہ قول اختیار کیا ہے کہ آغاز مرض چار شنبہ ۲۹ صفر سنہ ۱۱ھ اور وفات کی تاریخ دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تھی۔

آخر میں اہل علم اور ارباب قلم حضرات کی توجہ اس طرف موڑنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا تین ادوار تاریخی میں سے کسی ایک پر یا کسی کے کسی ایک گوشہ پر خود اپنی تحقیق از سر نو کر کے وقتاً فوقتاً کوئی رسالہ یا مقالہ سال میں ایک بار ضرور لکھدیا کریں جس سے دشمنانِ صحابہؓ کے مفاسد اور مغالط کا سدباب ہوتا اور ان کے روز افزوں زہر کا تریاق بنتا رہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ٥

والسلام

ناکارہ سراج الحق مچھلی شہری غفرلہٗ

حسن منزل۔ الہ آباد شعبان ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للہ تعالیٰ علی النبی الکریم للصحابۃ الکرام للنفس الدنیۃ
حامداً وشاکراً مصلیاً ومسلماً مادحاً ومبجلاً زاجراً ومستغفراً

الحمد للہ المتعال والصلوٰۃ والسلام علی من قال: انما الاعمال بالنیات ولکل امرئٍ مانوی

یہ راقم عاجز محمد معروف بہ سراج الحق مچھلی شہری غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ مختصر حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور وفات کے تیرہ دنوں کے اور خلافتِ ابوبکرؓ کے پہلے دو دنوں کے واقعات میں ایک تحقیقی مقالہ ہے جو مسلمانوں کو صحیح حالات سے باخبر کرنیکی نیت سے لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مقبول و مفید بنائیں۔ آمین

روز اوّل چہارشنبہ

۲۹ صفر سنہ ۱۱ھ مطابق ۲۷ مئی سنہ ۶۳۲ء

واقعہ (۱):۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس روز، اپنے اصولِ عدل کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شب باش تھے (اصح السیر) نصف شب میں

آپؐ خدا تعالیٰ کے حکم سے قبرستان بقیع تشریف لیگئے گرمیوں کا موسم تھا۔ ایک خادم مُوَیہبہ یا ابو مویہبہ آپؐ کے ساتھ تھے وہاں آپنے دیر تک شُہدَاء اُحُد کیلئے دعا مغفرت کی (جسے حدیث میں صلواۃ کہا گیا ہے) جب آپؐ وہاں سے واپس ہوئے تو ذرا دیر کے لئے سیدہ عائشہ رضؓ کی عیادت کو ان کے حُجرے میں تشریف لیگئے (کیونکہ وہ اس روز دردِ سر میں مبتلا تھیں) ناگاہ راستہ ہی سے خود حضورؐ کے سر مبارک میں بھی درد شروع ہوا۔ آپؐ اسی حالت میں سیدہ عائشہؓ کے یہاں پہونچے تو دیکھا کہ وہ درد کی شدت میں "وَارَاسَاہُ" (ہائے سر پھٹا جا رہا ہے) کہہ کر کراہ رہی تھیں حضورؐ بھی اپنے دردِ سر کی وجہ سے "وَارَاسَاہُ" کہنے لگے وہ سمجھیں کہ حضورؐ محض مزاح سے میری نقل میں یہ لفظ کہہ رہے ہیں تو کہنے لگیں کہ "میں تو مری جا رہی ہوں (اور آپؐ مزاح فرما رہے ہیں) حضورؐ نے فرمایا "اگر میرے سامنے ایسا ہوا (کہ تم مریں) تو میں تمھارے لئے استغفار کروں گا۔ دعا کرونگا" وہ کہنے لگیں "جی ہاں! آپؐ تو چاہتے ہی ہیں کہ میں مرجاؤں اور آپؐ میرے بستر پر کسی دوسری بی بی کے ساتھ شب باشی کریں" حضورؐ یہ سنکر مسکرا دیئے پھر فرمایا "میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابوبکر (تمھارے باپ) کو اور عبدالرحمٰن (تمھارے بھائی) کو بلا بھیجوں اور (اپنے بعد ولایتِ عہد کی وصیت) لکھوا دوں تاکہ (میرے بعد) کہیں کوئی کہنے والا کہنے نہ لگے اور کہیں کوئی تمنّا کرنے والا تمنّا نہ کرنے لگے۔ پھر میں نے کہا کہ ابوبکر رضؓ کے سوا (دوسرے سے) خود اللہ تعالیٰ بھی انکار فرمائیں گے اور مسلمان بھی نہ مانیں گے۔ (بخاری شریف کتاب المرضیٰ ج ۲ ص ۸۴۶ و اصح السیر ص ۵۵۳)

(اسکے بعد حضورؐ پھر اپنی خوابگاہ حُجرہ سیدہ میمونہؓ میں تشریف لے گئے۔ مرضِ وفات شروع ہو گیا تھا جس سے بخار چڑھ آیا۔)

تشریح :- (۱) اگرچہ ازواج میں باری باندھنا حضورؐ پر فرض نہ تھا مگر حضور طبعًا وعادۃً اتنے انصاف پسند ۔اتنے رحمدل لوگوں کی اتنی رعایت کرنے والے تھے کہ پھر بھی ازواج میں عدل فرماتے اور باری باندھے تھے۔ (۲) حضورؐ کا مرض وفات دردِ سر خدا کے حکم سے تھا اور اسی شب سے شروع ہوا۔ امر مقدر یونہی تھا مگر مرض وفات دردِ سر ہی کیوں ہوا اسکی دیگر توجیہات کے ساتھ ایک توجیہہ یہ بھی کیجا سکتی ہے کہ حضورؐ کو سیدہ عائشہ سے بہت محبت تھی۔ ملّا علی قاری لکھتے ہیں " فَلَقَدْ كَانَ عليه الصلوٰة والسلام يُحِبُّ عائشةَ حُبًّا شَدِيدًا حَتّٰى لَا يَكَادُ يَصْبِرُ عنها " (حضورؐ سیدہ عائشہ سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے دیکھے بغیر آپ کو چین نہ آتا تھا) تو حضور کا یہ دردِ سر بھی ۔ ممکن ہے کہ ۔ع

" خون ، رگِ مجنوں سے ٹپکا فصد لیلیٰ نے جو لی"

کے قبیل سے ہو ۔ (۳) حضورؐ نے ان سے اپنے دردِ سر کا جو ذکر فرمایا تو مطلب یہ تھا کہ اے عائشہؓ ! تم تو اس مرض سے اچھی بھی ہو جاؤ گی مگر ادھر آؤ میری طرف توجہ کرو کیونکہ میرا دردِ سر، میرا مرض وفات ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت آپنے وصیت فرمانے اور کسی کو اپنا وصی اور ولیعہد بنا دینے کے ارادہ تک کا اظہار بھی فرما دیا (۴) آپنے ولیعہد بنانے کے ارادہ کے سلسلہ میں جو وہ الفاظ (کوئی تمنا نہ کرنے لگے اور کوئی کہہ نہ بیٹھے) فرمائے تو حالات کی اہمیت اور ان الفاظ کی خود معنویت کچھ ایسا اشارہ کر رہی ہے جیسے حضور کے قلب مصفا پر کوئی خاص امر منعکس اور مکشوف سا ہوا ہو کہ " میرے بعد کوئی ایسے دو آدمی خلافت کی فکر یہ کرنے لگیں گے جنکے لئے تقدیر الٰہی نہیں ہے "؛ خیر یہ کشف والی بات تو میرا قیاس

ہے نقل صحیح اس کی تائید نہیں کرتی مگر عقل سلیم کا تو یہ ایک عام تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ہر صاحبِ حیثیت و صاحب اقتدار آدمی اپنے بعد کا بھی کوئی انتظام بعض وقت سوچتا اور بعض قرائن مقام پر غور کرتا ہے تو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اردگرد کے حالات پر غور فرمایا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں۔ اس پر غور کرنا تعجب خیز نہیں بلکہ اگر غور نہ فرماتے تو تعجب کی بات تھی۔ یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ حضورؐ نے سوچا ہو کہ کہیں انصار مدینہ میرے بعد اس طرز پر نہ سوچنے لگیں کہ "مدینہ میں، ہجرت رسولؐ سے قبل تو حاکم ہمیں لوگ تھے۔ ہم نے صرف خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اطاعت قبول کر لی اور مدینہ کی سرداری حضورؐ کے سپرد کردی تھی۔ اب چونکہ حضورؐ کو سفر آخرت پیش آرہا ہے اور کتاب و سنت میں ولایتِ عہد کا کوئی واضح مخصوص حکم ہے نہیں اس لئے قدرتاً اور عقلاً حکومت اور سرداری پھر ہم میں واپس آجانی چاہیئے"۔ پھر حضورؐ نے اپنے خاندان کے سلسلہ میں سوچا ہو کہ "ولیعہدی کا قانون (کیا عرب کیا عجم) ساری ہی دنیا میں تو یہی رائج ہے، کہ ایک صاحبِ اقتدار کے بعد اسی کے خاندان کے لوگ (بڑا لڑکا۔ چھوٹا بھائی۔ اور یہ نہ ہوئے تو لڑکی داماد) جانشینی کے خود بھی متوقع رہتے ہیں اور منتظم لوگ بھی ایسا عملدرآمد کرتے ہیں خواہ ان میں اس کی اہلیت نہ ہو اس لئے کہیں رواج عام کے مطابق میرے گھرانے والے بھی میری جانشینی کی توقع نہ کرنے لگیں"۔ اس کے ساتھ ہی حضورؐ کو اس کا علم یا احتمال بھی رہا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعہ دنیا کے ہر رواج خام کی اصلاح فرمانا چاہتے ہیں اسی طرح میری جانشینی میں بھی اہلیت کو معیار بنانا چاہتے ہیں نہ کہ رشتہ داری کو۔

غرض کچھ بعید نہیں اگر حضورؐ کے ذہن مبارک میں بھی یہی دو عقلی امکانات آئے ہوں پس آپنے امت کی صلاحیتِ اجتہاد پر اعتماد کر کے تو تحریر لکھانے کا ارادہ ملتوی فرمایا اور کسی کو نامزد کرنیکے بجائے مستحقِ خلافت کی طرف یہ کہہ کر ایک اشارہ فرمادیا کہ "ابوبکرؓ کے سوا خدا تعالیٰ کسی دوسرے پر راضی نہ ہونگے" اسی کے ساتھ امت کی صلاحیتِ اتحاد اور جمہوریت پسندی کی طرف بھی یہ فرماکر اشارہ فرمادیا کہ "یہ مسلمان ابوبکرؓ کے سوا کسی دوسرے پر راضی اور متفق نہ ہوں گے"۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں جس کے راوی خود سیدنا علیؓ ہیں صلاحیت و عدم صلاحیت خلافت کا یہ اشارہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ "ہم آپ کے بعد (بلافصل) خلیفہ و امیر کس کو بنائیں"؟ تو آپؐ نے سب سے پہلے ابوبکرؓ کا نام لیا ان کی صلاحیتیں ارشاد فرمائیں۔ ان کے بعد عمرؓ کا نام لیا۔ ان کے بعد اگرچہ علیؓ کا نام بھی لیا اور انکی صلاحیتیں بھی بیان فرمائیں مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ مجھے تم لوگوں کی صلاحیتِ اجتہاد کو دیکھ کر یقین ہے کہ تم ابوبکرؓ یا عمرؓ جیسے اعلا صلاحیتوں کے افراد کے ہوتے ہوئے علیؓ کو خود ہی میرا خلیفہ بلا فصل نہ بناؤ گے اور امارت المسلمین جیسی اہم امانت، زیادہ اہل و مستحق کو دینے کی بجائے محض میرے خاندان کی وجہ سے علیؓ کو نہ دیدو گے۔ ⑤ بخاری شریف کی حدیث واقعہ، پھر بغور پڑھئے اور یہ چند باتیں ذہن میں خوب مستحضر رکھئے۔

الف:۔ حضورؐ نے اگرچہ تحریر لکھانے کا خیال ظاہر فرمایا تھا مگر بہ ثبات ہوش و درستی عقل خود ہی اسکو ملتوی بھی فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ منشاءِ نبوی بلکہ منشاءِ خداوندی تحریر کے نہ لکھانے ہی کا تھا۔

(ب) حضورؐ نے خلیفہ کے پسند اور ناپسند کرنے کو مسلمانوں کے اجماع پر محوّل کرنے کا اشارہ فرمایا۔

(ج) آخر میں یہ فرما کر کہ میں نے تحریر اس اعتماد پر ملتوی کر دی کہ ابوبکرؓ کے سوا کسی دوسرے پر نہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے نہ مسلمان۔ یہ ظاہر فرما دیا۔ کہ اگر وہ تحریر لکھی جاتی تو ابوبکرؓ کی خلافت ہی کے متعلق ہوتی تاکہ اسکے ہوتے کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ یہ بات حضورؐ نے صراحتہً نہیں بلکہ اشارۃً فرمائی۔

(۶) حضورؐ نے تحریر لکھانے کا ارادہ جو اس تاریخ میں زنانخانہ میں سیدہ عائشہؓ سے ظاہر فرمایا، دراصل واقعہ قرطاس اور اشارۂ وصیت یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے آگے چلکر اگر پھر کہیں حضورؐ کے تحریر لکھانے کا ذکر آئے گا تو سو فیصدی واضح قرینہ یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ اس تحریر میں بھی ابوبکرؓ ہی کی خلافت لکھانے کا ارادہ ہوگا اور انھیں کے بارہ میں وصیتِ رسولؐ کا ہونا سمجھا جائیگا جب تک کہ ایک سو ایک فیصدی واضح قرینہ اس کے خلاف نہ ہو۔ (۷) دشمنانِ دین کے شور و غوغا کا رعب یا ان کی دروغ بافی کا کمال دیکھو کہ اگرچہ اس واقعہ میں نیز واقعہ سے پہلے میں حضورؐ کی صریح وصیتیں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں موجود اور ثابت ہیں جو سیدنا علی و عباس وغیرہم کیلئے سرے سے نہیں مگر غیر تو غیر خود سُنّی بھی وصی رسول اگر کبھی کہیں گے تو حضرت علیؓ ہی کو کہیں گے ابوبکرؓ کو نہ کہیں گے۔ اور اگر کوئی انصاف پسند اہل علم ابوبکرؓ کے حق میں وصیتیں دیکھ کر ان کو وصیِّ رسول لکھدیگا تو یہ اس پر اعتراض بھی کر دینگے۔ گویا انھوں نے بھی وصیت اور وصی کے الفاظ کو صرف حضرت علیؓ کیلئے مخصوص سمجھ لیا ہے۔

روز دوم تا روز پنجم پنجشنبہ تا یکشنبہ

یکم ربیع الاوّل تا ۴ ربیع الاوّل مطابق ۲۸ مئی تا ۳۱ مئی ۶۳۲ء

واقعہ (۲) :۔ حضورؐ پنجشنبہ سے یکشنبہ تک برابر ہر زوجۂ مطہرہؓ کا حق شرعی ادا فرماتے رہے۔ جن بی بی کی باری جس روز ہوتی آپؐ وہیں شب باش ہوتے بخار اور دردِ سر کی تکلیف بڑھتی رہی۔ آپؐ ہر روز یہ دریافت فرماتے رہتے کہ "میں کل کہاں رہونگا۔ پرسوں میری باری کہاں ہے؟" اس سے ازواجؓ نے سمجھا کہ حضورؐ کو سیّدہ عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے۔ اس کے علاوہ (سیّدہ فاطمہؓ کے ذریعہ) خود حضورؐ نے بھی ازواج سے اس کی اجازت چاہی کہ بقیہ ایّام مرض میں حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرمائیں (بخاری ص۶۳۷) بہرحال جملہ ازواج نے اپنی خوشی کو حضورؐ کی راحت پر قربان کر کے بالاتفاق اور بخوشی حجرۂ عائشہؓ میں مستقل قیام کی اجازت دیدی۔ یہ سُن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک مسَرت سے دمکنے لگا۔

تشریح :۔ (۱) یہ تو صحیح ہے کہ حضورؐ کو سیّدہ عائشہؓ کی طرف ان کی اعلیٰ روحانی صلاحیتوں کے باعث نیز ان کے کنواری ہونے کے باعث طبعی طور پر میلان قلبی زیادہ تھا لیکن حضورؐ کو ان کی باری کا یہ انتظار کچھ ان کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپؐ چونکہ اول المومنین اور سید المومنین تھے اور مومنین کا مقام "اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ" ہے اس میں آپؐ تمام انبیاء و ملائکہ سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے اور جب آپؐ کے ادنیٰ خدّام عرفا کو بھی محبوب حقیقی کی

ملاقات کا اشتیاق ایسا ایسا رہا ہے کہ وہ موت کے انتظار میں یوں زمزمہ سرا ہو گئے کہ ؎

خوشا آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

تو حضورؐ کا مقام تو ان سے کہیں اعلیٰ تھا کہ آپ خدا سے دعا میں "لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ" کا سوال فرماتے تھے آپ کو وحی سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ "مجھے رفیقِ اعلیٰ" کی رفاقت اور لقاءِ رب کی دولت بیت عائشہ ہی میں ملنے والی ہے پس حضورؐ کو سیدہ عائشہ کی باری کا شدید انتظار دراصل اس لئے تھا کہ آپ کو لقاءِ رب کا شدید اشتیاق تھا جسکے سامنے حضرت عائشہ کا خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا نیز اسلئے تھا کہ آپ کے جسدِ اطہر کا خمیر سیدہ عائشہ ہی کے حجرہ کی تربت پاک سے تھا اسلئے آپ کو انکی باری کا انتظار دراصل "خمیر کی کشش" تھی۔ (۲) ازواجِ مطہرات کی یہ اجازت دنیائے محبت کا وہ عجیب معاملہ ہے جسکی دلکش تعبیر علامہ اقبال نے یوں کی ہے ؎

صدمۂ ہجر میں کیا لطف ہے اللہ اللہ — یہ بھی اک ناز ہے تیرا نہ اٹھاؤں کیونکر؟

یا پھر عالمِ ملکوت کا وہ حیرت افزا جذبہ ہو جسکی تعبیر حقیر نے کی ہے:۔

ہوسناکی تھی جسکو عشق سمجھے تھے سراج ابتک — یہاں رنجش تو جائز ہی نہیں جمع رقیباں میں

(۳) جس حجرہ کی مٹی سے حضورؐ اور ابو بکرؓ کا خمیر تھا حسنِ اتفاق کے علاوہ سیدہ عائشہ کو وہی حجرہ اسلئے ملا تھا کہ انکا خمیر کو بھی حضورؐ کی طینت پاک سے بہت مناسبت تھی (۴) بیوتِ رسولؐ میں حضورؐ کیساتھ یا تو حضورؐ کی ازواجؓ رہی ہیں یا چودہ سو برس سے ابو بکرؓ و عمرؓ حضورؐ کیساتھ رہتے ہیں معلوم ہوا کہ اہلبیت یا تو ازواجِ رسول امہات المومنینؓ ہیں یا ابو بکرؓ و عمرؓ۔

روز ششم دوشنبہ

۵ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق یکم جون ۶۳۲ء

واقعہ (۳۳) :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو حضرات (فضل و علی رضی اللہ عنہما) کے کاندھوں پر سہارا دیتے ہوئے آہستہ آہستہ بیتِ عائشہ رضؓ میں تشریف لائے۔ بخار تیز تھا۔ سیّدہ عائشہ رضؓ نے حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "بکری کے گوشت کا وہ زہر ملا لقمہ جو میں نے خیبر میں (۶ھ میں) کھایا تھا اس کا کچھ نہ کچھ اثر تو میں اب تک بھی برابر محسوس کرتا رہا تھا مگر اب تو اس کے اثر سے میری رگِ اَبہر (رگِ جاں) ہی کٹ گئی ہے۔

(بخاری باب مرض النبی و وفاتہ ج ۲ ص ۶۳۷)

تشریح :- (۱) اصحّ الکتب بعد القرآن کی اس روایت میں حضورؐ صاف وضاحت فرما رہے ہیں کہ میری موت، شہادت ہے اور شہادت بھی فی سبیل اللہ (جو شہادت کی تیرہ قسموں میں سب سے اعلیٰ ہے) اس وجہ سے کہ ایک دشمنِ اسلام یہودی نے محض اسلام دشمنی میں حضورؐ کو زہر دیا تھا۔ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے حضورؐ کی اور چند صحابہؓ کی دعوت کرکے بکری کے گوشت میں زہر کھلانا چاہا تھا۔ حضرت بشر ابن براء تو وہی گوشت کھا کر شہید ہو گئے تھے۔ (انھیں کے قصاص میں حضورؐ نے زینب کو قتل کرا دیا تھا) مگر ایسی صراحت کے بعد بھی کمال ہے دشمنانِ دین کا اور اس سے بھی بڑھ کر کمال ہے اُن سُنّی

مسلمانوں کا۔ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حضرات حسنین رضؓ کے "طفیل کی فرضی" شہادت تو ماننے کو تیار ہیں جو کتاب سرّ الشہادتین میں درج ہے مگر نہ ان کو بخاری کی اس روایت کی خبر ہے اور نہ وہ اس کے ماننے کیلئے آمادہ ہیں۔ (۲) کتاب سرّ الشہادتین کو کہا جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب ہے۔ حالانکہ یہ محض افترا ہے۔ ذیل کے قرائن سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ کسی دشمن دین نے یہ کتاب خود لکھ کر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نام سے منسوب کر دی ہے اس نے اسکو کچھ عرصہ تو چھپائے رکھا ہوگا پھر پبلک میں اس کا چرچا کیا ہوگا۔ قرائن یہ ہیں۔

(الف) شاہ عبدالعزیز صاحب ایک جلیل القدر محدث ہیں وہ بخاری کا برابر درس دیا کرتے تھے۔ محال ہے کہ وہ بخاری کی اس حدیث کو بھول جائیں۔

(ب) یہ بھی محال ہے کہ وہ بخاری کی اس روایت کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم کریں۔

(ج) اس کتاب میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ حضورؐ کے اوپر کے آدھے دھڑ میں مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ حضورؐ کے نیچے کے آدھے دھڑ میں مشابہ تھے تو چونکہ (بقول مشہور) حضرت حسنؓ زہر سے اور حضرت حسینؓ تلوار سے شہید ہوئے تھے۔ اور ادھر دونوں ملکر حضورؐ کے پورے جسم کے مشابہ تھے اسلئے ان دونوں کی شہادت ملکر گویا خود آنحضرتؐ کی شہادت کے برابر ہوئی۔

(د) نیچے کے آدھے دھڑ کی مشابہت کے متعلق اگرچہ ایک روایت ہمارے یہاں بھی ہے۔ مگر اللہ مجھے معاف کرے میں یہ مشابہت سمجھنے سے قاصر ہوں۔

یہ تو معنی اور مضمون کے لحاظ سے عرض کیا گیا اور روایتہ اس میں خدشہ یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی مشابہت کی روایت تو بخاری اور ترمذی دونوں نے روایت کی ہے اور ترمذی نے اسکو حدیث حسن صحیح کہا ہے لیکن دوسری روایت جس میں حضرت حسینؓ کی مشابہت کا ذکر ہے اسکو صرف ترمذی نے روایت کیا اور حسن غریب کہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسنؓ کی مشابہت چہرہ کی حدیث تو اصل اور صحیح ہے اسمیں کسی راوی نے حضرت حسینؓ کی مشابہت زیریں کا بھی اضافہ کردیا۔ اسی وجہ سے اس میں غرابت پیدا ہوگئی ہے۔

بہرحال یہ نکتہ کسی احمق یا کسی دشمن بدنیت ہی کی سمجھ میں آسکتا ہوگا کہ دونوں کی شہادتیں ملکر حضورؐ کی شہادت کے برابر ہوگئیں۔ اول تو سیدنا حسنؓ کے متعلق تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ طبعی موت سے اپنے بستر[1] پر مرے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے سوتوں کی جلن میں انکو زہر دیا ہے۔ بہرحال انکی شہادت اوّل تو یقینی نہیں دوسرے اگر شہادت تھی بھی تو فی سبیل اللہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت حسنؓ کا تو زہر سے شہید ہونا لوگ تسلیم کرسکتے ہیں مگر حضورؐ کا زہر سے شہید ہونا تسلیم نہیں کرسکتے۔ یعنی حضورؐ کو خود جو زہر دیا گیا اس سے تو حضورؐ شہید نہیں ہوسکے۔ مگر حضرت حسنؓ کو جو زہر دیا گیا اس سے حضرت

---

[1] ابن خلدون لکھتے ہیں..... فلم یزل مقیماً بالمدینہ الی ان ھلک سنۃ تسع و اربعین (وقال ابو الفرج الاصبھانی سنۃ احدی وخمسین) علی فراشہ - وما ینقل ان معاویۃ دس الیہ السم مع زوجتہ .. فھو من احادیث الشیعۃ ... الخ
ج ۲ ص ۱۸۲

حسنؓ ایسے شہید ہو گئے کہ جب انھوں نے اپنی شہادت میں سے ایک شکلی شہادت حضورؐ کو دے دی تب جا کر حضورؐ کو شہادت ملی۔ انا للہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب سیدنا حسینؓ کی شہادت لیجئے وہ بھی فی سبیل اللہ نہ تھی ان کے حریف مسلمان تھے اور معاملہ بھی حکومت سے مقابلہ کا اور حکومت طلبی کا تھا اور جنگ بھی قتال فتنہ اور قتال فجارۃ کی تھی (۳) دربار حق میں مناصب جلیلہ چار ہیں۔ نبوت۔ صدیقیت۔ شہادت۔ صالحیت۔ اب جو شخص اول درجہ یعنی نبوت پر فائز کر دیا گیا ہو اس کے لئے اول تو شہادت کوئی فضیلت نہیں کہ اسکے لئے اتنی تاویلات کے پاپڑ بیلے جائیں اور اگر اتفاقات زمانہ سے کسی نبی کو شہادت کا درجہ بھی ملجائے (مگر تاویل سے نہیں صراحت سے۔ اور طفیلی نہیں ذاتی) تو البتہ وہ یقیناً فضیلت کی چیز ہے اب حدیث مذکور بتاتی ہے کہ حضورؐ کو حق تعالیٰ نے ذاتی ہی طور پر یہ شرف عطا فرمایا تھا۔ پھر طفیلی شہادت ثابت کرنے کی ضرورت؟

(۴) اگر خدانخواستہ حضورؐ کا وصال اس زہر ملے گوشت کھانے سے فوراً یا اس کے کچھ بعد ہو جاتا تو البتہ اس کا احتمال اور ایہام ہو سکتا تھا (جیسا کہ سر الشہادتین میں ہے) کہ نعوذ باللہ کفار کو حضورؐ پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ ان کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع ملتا اور دین کی اشاعت اچانک رک جاتی لیکن جب حضورؐ اس گوشت کے کھانے کے بعد مسلسل چار یا پانچ سال بظاہر اچھے رہے (گو بیچ بیچ میں کچھ خلش محسوس فرماتے تھے) اور اس اثنا میں آپؐ نے

بہترین تبلیغ اسلام فرمائی۔ اشاعتِ احکام میں سرگرم رہے مکہ فتح کیا۔ ملوک کو وفود فرامین بھیجے تو اب نہ یہود کی شماتت کا اندیشہ تھا نہ اشاعت دین کے رُکنے کا احتمال تھا۔ پھر اگر براہ راست حضورؐ ہی کو شہادت[1] مل رہی ہے تو اس کے اظہار یا قبول میں تامل کیوں ہو؟ اور تاویل بارد کر کے حسنینؓ کے طفیل میں شہادت اور وہ بھی ادنیٰ درجہ کی شہادت حضورؐ کیلئے ثابت کرنے کی کیا حاجت ہے؟

روز ہفتم و ہشتم سہ شنبہ و چہار شنبہ

۶ و ۷ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۲ و ۳ مئی سنہ ۶۳۲ء

واقعہ (۴) :۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے حبیب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چھ روز قبل اپنی وفات کی اطلاع دی۔ ہمیں حجرۂ عائشہ میں جمع کیا۔ ہمیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں نم ہوگئیں، پھر فرمایا :۔

"تم سب کو مرحبا۔ اللہ تم سب کو زندہ رکھے۔ تمہاری حفاظت کرے تمھیں اچھا ٹھکانا دے۔ تمہاری مدد کرے تمھیں سیدھی راہ چلائے، تمھیں رزق دے تمھیں نیکیوں کی توفیق دے۔ تم سب کو سلامت رکھے (یہ نو دعائیں دینے کے بعد فرمایا) میں تم کو تاکیدی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف برابر رکھنا۔ میں

---

[1] ابوبکرؓ کو بھی سانپ کے کاٹنے اور خیبر میں زہر ملا لقمہ کھانے سے شہادت ملی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ سے تمہاری سفارش کرتا ہوں اور اسے تم پر نگراں بناتا ہوں۔ دیکھو میں تمھیں صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں کہ اللہ کے ملک میں اور اسکے بندوں میں اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بھی اور تم سے بھی یہ وعدہ کیا ہے کہ "ہم دار آخرت (کی عزت) ان لوگوں کے حصہ میں لکھیں گے جو زمین میں غرور اور سرکشی نہ کریں اور فساد نہ پھیلائیں اور انجام کی کامیابی انھیں کو ہوگی جو اللہ کا ڈر دل میں رکھیں"۔ دوسری جگہ فرمایا۔ "بتاؤ کیا جہنم میں ایسے متکبروں کا ٹھکانا نہیں ہوگا؟" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ "میرا وقتِ مقررہ آپہونچا اب میری واپسی اللہ تعالیٰ کیطرف سدرۃ المنتہیٰ کیطرف جنت الماویٰ اور چھلکتے پیالوں کی طرف اور رفیق اعلیٰ کی طرف ہونیوالی ہے"۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپؐ کو غسل کون دے؟ فرمایا "میرے گھرانہ کے لوگ ہیں۔ پہلے زیادہ قریبی عزیز پھر ان کے بعد جو ہوں"۔ ہم نے پوچھا آپؐ کو کفن کس چیز کا دیں؟ فرمایا اگر تم چاہو تو میرے انھیں کپڑوں میں۔ ورنہ یمن کی دو چادروں یا مصر کے سحولی سفید کپڑوں میں کفن دینا"۔ ہم نے پوچھا۔ "آپؐ پر نماز کون پڑھائے"؟ یہ کہہ کے ہم روئے حضورؐ بھی روئے پھر فرمایا رونا بند کرو اللہ تمھیں بخشے اور تمکو تمہارے نبی کی طرف سے جزائے خیر دے۔ جب تم مجھے نہلا چکو تو مجھے میرے حجرہ میں میری قبر کے کنارے چارپائی پر رکھ کر کچھ دیر کو میرے پاس سے سب لوگ ہٹ جانا کیونکہ مجھ پر سب سے پہلے میرے دوست اور ساتھی جبرئیلؑ پھر میکائیلؑ پھر اسرافیلؑ پھر ملک الموتؑ مع اپنے لشکروں کے۔ پھر بقیہ فرشتے نماز پڑھیں گے۔ پھر تم لوگ دو دو چار چار کرکے میرے پاس آنا اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام (نماز جنازہ

جس میں علاء پہلے ثنا و درود ہوتا ہے) پڑھنا مگر دیکھو کسی رونے چلانے اور
شور مچانے والی کو بلا کر مجھے ایذا نہ پہونچانا اس کے بعد مجھ پر میرے گھرانہ کے
رشتہ دار لوگ نماز پڑھیں پھر تم لوگ نماز پڑھنا۔ میرا سلام اپنے مسلمان
بھائیوں سے کہنا اور ان سے بھی جو موجود نہیں ہیں اور ان سے بھی کہنا جو
میرے بعد دین میں داخل ہوں۔ دیکھو گواہ رہنا میں انھیں بھی سلام کہہ رہا
ہوں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں اور انھیں بھی جو قیامت تک دین میں
میری پیروی کریں۔" ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے؟
فرمایا میرے رشتہ دار اور ان کے ساتھ فرشتے جو تمھیں دیکھتے ہونگے مگر تم
ان کو نہ دیکھتے ہو گے!"

(جمع الفوائد باب وفات النبی بحوالہ بزار[1] و اوسط[2])

تشریح:- (۱) شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضورؐ نے اس ارشاد میں اپنے دفن اور
غسل کے لئے اکثر ہدایات فرمادی تھیں تو پھر بعد وفات نبیؐ صحابہؓ نے ان امور
میں بحث و اختلاف کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ اس روایت کے وقت ممکن
ہے ایسے چند آدمی رہے ہوں جو کسی وجہ سے ان بحثوں اور مشوروں کے وقت
موجود نہ رہ سکے ہوں اس لئے منتظم صحابہؓ نہیں یہ ارشادات معلوم نہ ہونیکے
بحث ہونے لگی ہو (۲) حضورؐ کا خود حکم ہی یہ تھا کہ میرے انتقال کے بعد
میرے دفن میں اتنی دیر کرنا جتنے میں تمام فرشتے اور تمام موجود صحابہ دو دو
چار چار کر کے یکے بعد دیگرے حجرہ کے اندر جا جا کر بلا کسی امام کے نماز پڑھ
سکیں اس روایت اور اس ارشاد نبوی کو دیکھنے کے بعد تو یہ صحابۂ کرام کی ایک

نمایاں کرامت ہی معلوم ہوتی ہے کہ وفات شریف کے بعد ۳۳ یا ۳۴ گھنٹوں کے اندر اندر ان تمام ہدایات نبوی پر (باوجود غم کی بدحواسی کے) پورا پورا عمل بھی کیا پھر اچانک جو فتنہ اور اختلاف صحابہ میں پیدا ہوگیا تھا اس کا تصفیہ بھی نہایت انصاف اور امن سے کرلیا اور اپنا ایک امیر بھی منتخب کرلیا اس طرح پورے سکون و اطمینان اور بہترین نظم وضبط کے ساتھ نماز دفن میں سب شریک ہوسکے۔ (۳) ہم جیسے نالائق اور بداعمال مسلمان جو باوجود بداعمالیوں اور حق تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ابتک زندہ ہیں تو ایمان کی بات یہ ہے کہ ہم حضورؐ کے ان آخری سلاموں ہی کی برکت اور طفیل میں زندہ ہیں۔ حضورؐ کا یہ آخری سلام اور بڑے اہتمام سے سلام ہملوگوں کیلئے انتہائی خوش نصیبی ہے۔

اللھم صلّ علی حبیبک حبیبنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم

روزِ نہم پنجشنبہ

۸ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ مطابق ۴ جون سنہ ۶۳۲ء

واقعہ (۵): جب حضورؐ کی وفات قریب ہوئی (وفات سے پانچ روز قبل) تو حجرۂ عائشہؓ میں بہت سے صحابہؓ حضورؐ کی عیادت کو آئے۔ حضورؐ کو بار بار

غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک بار غشی سے افاقہ پر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا "آؤ میں تم کو ایک بات ایسی لکھ دوں جسکے بعد تم بہک نہ سکو گے۔ کاغذ قلم دوات لاؤ۔ (ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم حضرت علیؓ ہی کو دیا تھا۔ دیکھو فتح الباری باب کتابتہ العلم) لوگ کاغذ لائے اور املا کے منتظر ہوئے (اتنے میں حضورؐ کو پھر غش آ گیا) یہ حال دیکھ کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "حضور کو تکلیف سخت ہے بار بار غشی ہو رہی ہے ہم ایسی حالت میں آپ کو کچھ سوچنے اور لکھانے کی تکلیف کیوں دیں) ہمارے پاس قرآن اللہ کی کتاب تو موجود ہی ہے۔ (جو صورت پیش آئیگی اس کے لئے ہم قرآن سے ہدایت نکالکر عمل کرینگے) تو "اہلبیت" (حجرہ میں موجود صحابہ) اختلاف کرنے لگے۔ بعضوں نے کہا کاغذ لیکر تیار رہو تاکہ حضورؐ ایسی بات لکھوا دیں جس سے تم لوگ بہک نہ سکو۔ دوسرے بعضوں نے وہی کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا۔ جب حضورؐ کے پاس یہ اختلاف بڑھنے اور شور سا ہونے لگا تو حضورؐ نے ناخوش ہو کر فرمایا "تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ (عبیداللہ راوی کہتے ہیں کہ) ابن عباس یہ روایت بیان کر کے جب (ہمارے یہاں سے) نکلے تو یہ کہتے تھے کہ اجی بڑی مصیبت تو یہی ہوئی کہ ان کے شور اور اختلاف کے باعث اس تحریر میں رکاوٹ پڑ گئی"۔

(بخاری عن علی بن عبداللہ باب مرض النبی ج ۲ ص ۶۳۸)

تشریح:۔ (۱) چونکہ ولایتِ عہد اور وصیتِ استخلاف ایک ضروری اور اہم معاملہ تھا نیز سیاسی حالات کا تقاضا تھا کہ اس کے متعلق صریح حکم دیدیا جائے اس لئے آپ نے اپنے پہلے فیصلہ (التواءِ تحریر) کو پھر منسوخ فرمایا اور دوسرا فیصلہ یہی کیا کہ مضمونِ وصیت لکھا ہی دیں (۲) یہ تو سچ ہے کہ صراحتہً اور حتماً نہیں

معلوم ہوسکا کہ آپ اس روز تحریر میں کیا لکھانے والے تھے مگر اس سے قبل کے اور بعد کے قوی قرائن دیکھ کر ایک منصف اور خالی الذہن شخص تو یقیناً کہدیگا کہ وہ تحریر لکھی جاتی تو ابوبکرؓ ہی کو وصی اور خلیفہ بلافصل بنانے کیلئے ہوتی مورخین نے اس واقعہ کو پچھلے واقعات سے الگ کر کے دیکھا ہے اسوجہ سے وہ نہ ان قرائن کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ان کے نتیجہ کا۔ ان کا ذہن ذیل کے قرائن کی طرف غالباً گیا ہی نہیں:۔

(الف) دو دن پہلے آپ نے زنانخانہ میں سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر ہی لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس وقت یہ فرما کر کہ ابوبکرؓ کے سوا کسی پر خدا راضی نہ ہوگا" اس تحریر کو ملتوی کر دیا تھا۔ یعنی وہ تحریر اگر لکھی جاتی تو اس میں ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانیکی ہی وصیت ہوتی۔

(ب) اور اس وقت (جمعرات) کو بھی آپنے تحریر ہی لکھانیکا ارادہ ظاہر کیا اور جب اہلبیت نے شور مچایا تب بھی آپ نے تحریر ملتوی فرما دی (ج) دو ہی دن بعد آپ نے صریح حکم دیدیا کہ "ابوبکرؓ میری جگہ پر نماز پڑھایا کریں"

ان قبل اور بعد کے قرائن سے حضورؐ کا منشاء تحریر اتنا واضح ہے کہ اسے دشمن بھی خوب سمجھ گئے پھر بھی وہ حضرت علیؓ کے بارہ میں ایک بلا وجہ دوراز کار احتمال اٹھا کر ڈھول کی رسّی برابر بٹے جا رہے ہیں۔ آج تک جب بھی سنیئے تو وہی واقعۂ قرطاس کا چرخہ چلا جا رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کا تو مقصد ہی اسلام میں تفریق اور دلوں میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

(۳) بہرحال آپنے مستقبل کے امکانات اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے

بعد جو تحریر لکھانے کا فیصلہ کیا (جو لکھی نہیں جا سکی) تو اس کا راز یہی سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ انصار میں سے حضرت سعد انصاری اور مہاجرین میں سے عباسؓ اور علیؓ سے دعوائے خلافت ظاہر ہونے والا تھا۔ اُسی کا انعکاس قلبِ مبارک پر ہو رہا تھا اسلئے آپ نے چاہا کہ ابو بکرؓ کے بارہ میں صریح حکم لکھوا دوں تاکہ میرے گھرانہ والے بھی اور انصار بھی میرا حکم سنکر اختلاف نہ کریں (۴) لیکن باوجود خواہش نبوی کے یہ تحریر جو نہیں لکھی گئی اس کا بھی راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تو یہ تھا کہ امت ہی آپس کے مشورہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرے اور امت میں جمہوری طرز حکومت کی بنیاد پڑے۔ اسلئے حضورؐ نے اس دوسری بار بھی ابو بکر کو یا کسی کو "خلافت کیلئے" نامزد نہیں کیا۔ بالفرض حضورؐ کا منشا اس تحریر میں حضرت علیؓ ہی کے بارہ میں وصیت کرنیکا رہا ہوتا جیسا دشمن احتمال نکالتے ہیں۔ تب بھی حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں تھا کہ وہ تحریر عالم وجود میں آئے۔ (۵) یہ واقعہ قرطاس کہلاتا ہے۔ ظاہر میں لوگ اسکو پنجشنبہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور نتیجہ نکالنے میں غلطی کرتے ہیں حالانکہ اس کا تعلق واقعہ اول ہی کی تحریر سے ہے اسکو اسی کی روشنی میں دیکھنے سے صحیح مطلب سمجھا جا سکتا ہے دشمنوں نے جو وساوس مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے چاہے ہیں اسکا جواب بعض مشہور اہل قلم نے یہ دیکھ کر کہ "اس واقعہ سے تو حضرت عمرؓ پر الزام الگ لگتا ہے اور نعوذ باللہ خود حضورؐ کی ذات اقدس کے متعلق بھی شائبۂ تنقیص الگ ہوتا ہے۔ سرے سے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت ہی کا انکار کرنا چاہا ہے اور کہا ہے کہ اس انکار میں ہم اس وجہ سے اور بھی حق بجانب ہیں کہ اتنے اہم واقعہ کے راوی صرف ابن عباسؓ ہی ہیں جو وفات

رسولؐ کے وقت اوّل تو خود موجود نہیں تھے دوسرے اس وقت انکی عمر کل ۱۳ سال کی تھی اسلئے تیرہ سالہ نو عمر شخص جو واقعہ کے عینی شاہد بھی نہیں اگر حضورؐ کی تنقیص اور عمرؓ پر الزام کی روایت کریں اور تنہا روایت کریں تو ہم اسکو رد کر دینا آسان سمجھتے ہیں۔" (الفاروق شبلی صـ ۳۵)

مگر میرے نزدیک یہ بات وزنی اور معقول نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حبرِ امت ہیں حضورؐ کے نظر کردہ اور دعا یافتہ ہیں انکی عمر خواہ تیرہ برس ہی ہو خواہ اس سے بھی کم رہی ہو۔ وہ قابلِ اعتماد ہیں اور یقیناً ہیں پھر خواہ واقعہ کے وقت وہ حضورؐ کے پاس موجود نہ رہے ہوں وہ یقیناً ثقہ اور عادل ہیں اور انکی روایت یقیناً معتبر ہے۔ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت صحیحہ کو محض اس کے وزن قیاس سے اصولاً رد نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے اگر ابنؓ عباس رضؓ سے الزام اور تنقیص کی صرف یہی ایک روایت منقول ہوتی تب تو خیر اس حدیث کے انکار میں کچھ معقولیت بھی ہوتی لیکن ہم کو تو ابنِ عباس ہی کی بعض روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن میں اس "الزام اور تنقیص" کا مضمون سرے سے نہیں تو اس روایت کا انکار کیوں کیا جائے؟ آخر ان کی کیا توجیہ کی جائیگی؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بخاری میں اس روایت کا ذکر مجھے پانچ جگہ چھ طرق سے ملا ہے:۔

(الف) باب کتابۃ العلم (ج ۱ صـ ۲۲) اسناد:۔ بخاری[1] ابن وہب[2] یونس[3] ابن شہاب[4] عبید اللہ[5] — ابن عباس[6] رضی اللہ عنہم

(ب) باب جوائز الوفد (ج ۱ صـ ۴۲۹) اسناد:۔ بخاری[1] قبیصہ[2] ابن عیینہ[3] سلیمان احول[4] سعید بن جبیر[5] — ابن عباس[6] رضی اللہ عنہم

(ج) باب مرض النبی و وفاتہ (ج ۲ صـ ۶۳۸) اسناد:۔ بخاری[1] قتیبہ[2] سفیان[3] سلیمان احول[4] سعید بن جبیر[5] — ابن عباس رضی اللہ عنہم

(د) باب ایضاً (ج ۲ ص ۶۳۸) اسناد:- بخاری[1] - علی بن عبد اللہ[2] - عبد الرزاق[3] - معمر[4] - زہری[5] - عبید اللہ[6] - ابن عباس[7] رضی اللہ عنہم

(ہ) باب قول المریض قوموا عنی (ج ۲ ص ۸۴۶) اسناد:- بخاری[1] - ابراہیم بن موسیٰ[2] - ہشام[3] - معمر[4] - زہری[5] - عبید اللہ[6] - ابن عباس[7] رضی اللہ عنہم

(و) باب ایضاً (ج ۲ ص ۸۴۶) اسناد:- بخاری[1] - عبد اللہ بن محمد[2] - عبد الرزاق[3] - معمر[4] - زہری[5] - عبید اللہ[6] - ابن عباس[7] رضی اللہ عنہم

ان طرق میں سے صرف دو طریق ایسے ہیں جن میں یہ الزام و تنقیص کا مضمون ہے وہ طُرُق وہ ہیں جنمیں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قتیبہ ہیں اور استادِ بعید سعید بن جُبیر ہیں ورنہ بقیہ چار طُرُق جن میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عبید اللہ ہیں ان میں یہ لغو مضمون سرے سے نہیں۔ تو ہم بخاری کے چار استادوں (ابن وہب علی بن عبد اللہ۔ ابراہیم بن موسیٰ۔ اور عبد اللہ بن محمد) کی روایتوں کو آخر کس جرم میں رد کر دیں؟ کیا صرف اس جرم میں کہ اسی قصہ قرطاس کے دو طرق میں "الزام و تنقیص" کا لغو مضمون موجود ہے؟ ابن عباس کی روایت کے مطلقاً انکار کر دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ اسکے ہر طریق میں "الزام و تنقیص" کا قابل اعتراض اور لائق احتراز مضمون موجود ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اسکے اکثر طرق کا مضمون بے غبار بھی ہے پس واقعہ قرطاس اور روایت ابن عباس کے مطلقاً انکار کے مقابلہ میں ہم یہ کیوں نہ کریں کہ اس کے چار بے غبار طرق کو تو صحیح مانیں اور صرف انھیں دو طرق کا انکار کریں جنمیں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قتیبہ اور استاد بعید سعید بن جبیر ہیں۔ اگر خود حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ اس "الزام و تنقیص" کے لغو مضمون کے ساتھ مروی ہوتا تو اسے ان کے ہر شاگرد کی روایت میں ہونا چاہیئے تھا مگر آخر یہ کیا راز ہے کہ چار طرق میں تو کہیں اس مضمون کا پتہ نہیں صرف دو ہی طرق میں ہے؟ اور اس میں بھی اگر کوئی ماہر جرح و تعدیل اور فن رجال کا واقف عالم دین ذرا نظر تحقیق سے کام لے تو ہو سکتا ہے کہ یہ انکشاف[1] ہو کہ وہ در اصل

---

[1] فتح الباری ج ۶ باب جمع الزا الوفد میں ملگیا کہ قبیصہ در اصل سفیان ثوری کے شاگرد ہیں۔ انھیں سے روایت بھی کرتے ہیں سفیان ابن عیینہ سے بجز بخاری کی اس روایت کے کوئی اور روایت ہی نہیں اور فربری کے شاگرد ابن السکن کی روایت میں قبیصہ کی بجائے قتیبہ ہی کا نام ہے۔ الحمد للہ - ۱۲

ایک ہی طریق ہے اور کسی راوی کی کسی مخفی غرض نے اسے دو بنایا ہو خیر یہ کام تو فنِ رجال کے کسی عالم کا ہے لیکن مجھے اس طریق کے خود مضمون میں بھی کچھ نکارت معلوم ہوتی ہے۔ آپ بھی سُن لیجئے :۔

"ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا" ہائے جمعرات! ارے کیسی کچھ تھی وہ جمعرات! حضورؐ کا مرض شدّت اختیار کر گیا تو آپنے فرمایا میرے پاس آؤ میں تمکو ایک ایسی تحریر لکھ (لکھوا) دوں کہ تم اس کے بعد پھر کبھی بہک نہ سکو گے تو اہلبیت آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا تو کچھ لوگوں نے یہ کہدیا" یہ حضورؐ کی کیا حالت ہے؟ کیا آپ نے ہذیان کہا ہے؟ ذرا آپ سے پھر تو پوچھ لو تو لوگ آپ کے پاس آپکی بات دوبارہ پوچھنے گئے تو آپ نے فرمایا تم سب مجھے چھوڑ دو۔ میں اس حالت میں اس سے اچھا ہوں جسکی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ پھر آپ نے انکو تین وصیتیں فرمائیں ایک یہ فرمایا کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالدو۔ ایک یہ کہ وفود کو اسی طرح انعام اور تحائف دینا جیسے میں دیتا تھا۔ تیسری بات پر وہ چپ ہو گئے یا یہ کہ میں ہی بھول گیا (باب مرض النبی ج ۲ صفحہ ۶۳۸) = باب جوائز الوفد ج ۱ ص ۴۲۹ میں بھی تقریباً یہی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ "کیسی کچھ تھی وہ جمعرات!" کے بعد اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "پھر ابن عباس اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں سے کنکریاں تر ہو گئیں" اور "کیا آپنے ہذیان کہا ہے" کے بعد "پھر تو پوچھ لو" کا لفظ نہیں ہے۔ اچھا اب اُس نکارت کا حال سنئے :۔

(۱) امت میں بعد کے اختلافات دیکھ کر صرف ابن عباس کا رونا اور اتنا رونا کہ چہرہ ریش مبارک دامن وغیرہ سے گذر کر زمین کے کنکر پتھروں کا بھیگ جانا کچھ جی کو نہیں لگتا۔

بے غبار روایت میں "اِنَّ الرزیۃ کُلَّ الرزیۃ" کا لفظ آیا ہے یعنی انھوں نے فرمایا کہ اجی ساری مصیبت تو یہی ہوئی کہ لوگ اختلافات کرنے لگ گئے اور تحریر نہ لکھی جاسکی۔ تحریر آج ہوتی تو یہ اختلافات نہ ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مضمون کو غیر ضروری مبالغہ کے ساتھ کسی راوی نے بیان فرما دیا ہے۔ (۲) جب حضورؐ کے کسی ارشاد میں خواہ وہ حالت مرض کی ہو یا حالت صحت کی۔ کسی ایک بات پر بھی کبھی اس کا احتمال نہ ہوسکا اور ہو سکتا بھی نہ تھا کہ آپ نے معاذ اللہ بے عقلی۔ کم عقلی۔ بدحواسی کی بات فرمائی ہو تو حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ "کاغذ قلم دوات لاؤ میں کچھ لکھوا دوں" آخر کونسی غرابت تھی کہ معاذ اللہ بدحواسی (ہذیان) کا احتمال ہو؟ پھر تعجب ہے کہ ابن عباس رسول کے اہلبیت حدیثی ہو کر حضورؐ کیلئے ہَجَرَ (ہذیان۔ بدحواسی) کا لفظ استعمال کریں۔ (۳) جب صحابہ کاغذ قلم دوات لیکر حضورؐ سے دوبارہ پوچھنے گئے۔ اور قرینہ یہی ہے کہ یہ پوچھا ہوگا کہ "حضورؐ ہم لوگ حسب الحکم کاغذ قلم لے آئے ہیں آپ جو لکھوانا چاہتے تھے ارشاد فرمائیں ہم لکھ لیں"۔ اس کے جواب میں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے اچھی ہے جسکی طرف تم مجھے بلا رہے ہو" اللہ مجھے معاف فرمائے اور مجھ پر رحم کرے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں صحابہ کی گذارش اور حضور کے جواب میں کوئی جوڑ نہیں سمجھ سکا۔ بخاری کی روایت دیکھ کر اگرچہ علما نے کوشش کی ہے کہ ان میں جوڑ اور ربط پیدا کریں مگر میں دوراز کار تاویل کا قائل نہیں۔ مجھے صاف یہ نظر آرہا ہے کہ یہ بے جوڑ بات حضورؐ کے متعلق کہہ کر کسی راوی نے اسی اپنے سابق لغو لفظ ہَجَرَ (ہذیان) کا ایک جواز و ثبوت بہم پہونچانا چاہا ہے۔ لیکن الحمد للہ کہ یہ نکارت ان چار بے غبار طرق میں نہیں ہے۔

اگر میری معروضات بالا علمی طور پر صحیح ہوں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دشمنان دین کے اس وسوسہ کی طرف کچھ بھی التفات کریں جو وہ ان ایک یا دو طریق کو لے کر

ہمارے دلوں میں ڈالنا چاہتے ہیں جنہیں ابن عباس کے شاگرد سعید ابن جُبیر ہیں۔ اس روایت کے مطلقاً (چھوں طُرق کے) انکار کے مقابلہ میں ہم اس کا جواب یہ کیوں نہ دیں کہ چونکہ واقعۂ قرطاس بخاری ہی کے چار طُرق میں ایسے الفاظ سے بھی ہے جنہیں حضورؐ کی تنقیص نہیں ہے اسلئے ہم انھیں چار کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس ایک (یا دو) طریق کو کچھ روایۃً مشتبہ اور کچھ معنیً سوءِ ادب جانکر رد کرتے ہیں۔ تمھیں اگر اعتراض کرنا ہو تو بخاری کے اُن چار طُرق کو لیکر کوئی اعتراض کرو۔

طریق مشتبہ کا جواب

لیکن اتمامِ حُجّت کیلئے ہم ذیل میں اس مشتبہ طریق (سعید بن جبیر عن ابن عباس) کا بھی مُسکت جواب دیئے دیتے ہیں۔

دشمنان دین کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پر دو الزام ہیں۔

(۱) حضورؐ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے والے تھے اُسے عمرؓ نے روک دیا۔

(۲) عمرؓ نے ایسی تحریر کے لکھے جانے میں روڑا اٹکایا جس سے امت پھر نہ بھٹکنے پاتی۔

جواب یہ ہے:۔

(۱) حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی غایت رعایت فرمائی اور آپ کو راحت پہونچانے کو یہ مشورہ دیا تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ چونکہ مزاج رسالت کو ابن عباسؓ۔ علیؓ۔ عباسؓ وغیرہم سے کچھ زیادہ ہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعض مشوروں کے مطابق وحی الٰہی بھی نازل ہوئی جو "موافقاتِ عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسلئے انھیں یقین تھا کہ اگر وہ مضمون جسے حضورؐ لکھانا چاہتے تھے ـــــ کسی واقعی دینی ضرورت کے متعلق ہوگا تو ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ حضورؐ کی حیات ہی میں اس کی تکمیل نہ فرمادیں۔

③ حضورؐ نے سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا پھر اسے خود ہی ملتوی فرما دیا اس سے حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اس تحریر کا نہ لکھا جانا ہی منشاء نبوی بلکہ منشاء الہٰی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ چونکہ اس سرِّ الہٰی کو نہیں سمجھ سکے اسلئے انھوں نے رو رو کر کنکریاں تر کر دیں۔

④ حضرت عمرؓ نے جو حسبنا کتاب اللہ فرمایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ہادی کامل ہونے پر انکا کس درجہ قوی ایمان تھا کہ اس نازک موقع پر بھی ان کے ایمان کمی نہیں ہونے پائی۔

⑤ حسبنا کتاب اللہ فرما کر حضرت عمرؓ نے اپنی صلاحیتِ قرآن فہمی اور اپنی ہمت کا بھی اظہار فرما دیا۔

⑥ حضرت عمرؓ نے اس وقت ایک مشورہ ہی تو دیا تھا۔ اگر انھوں نے غلطی کی تھی تو حضرات عباس اور ابن عباس نے اور خاصکر علی (رضی اللہ عنہم) نے کہ ایک روایت میں کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم انھیں کو تو حضورؐ نے دیا تھا اس وقت یا بعد میں حضور سے اس معاملہ کو صاف کیوں نہیں کر لیا؟

⑦ اگر حضرت عمر کا یہ مشورہ غلط تھا تو اہلبیت نے حضرت عمرؓ کی موافقت ہی کیوں کی؟

⑧ پھر جب کچھ اہلبیت نے بھی حضرت عمرؓ کی موافقت کی تو لوگوں کی یہ کتنی بددیانتی ہے کہ اس مشورہ کا سارا الزام اور طعن صرف حضرت عمرؓ کو دیا جائے۔ حالانکہ اس میں الزام کی بات سرے سے نہیں تھی۔

⑨ اس وقت بھی حضورؐ نے یہ فرما کر کہ "اچھا میرے پاس سے ہٹ جاؤ" یہ ظاہر

فرمادیا کہ وہ تحریر ضروری نہیں تھی نہ بھی لکھی جائے تو کچھ حرج نہ ہوگا۔

انتباہ ضروری واقعہ قرطاس میں ترک تحریر کے مشورہ میں اہلبیت کا لفظ بھی آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اسکے معنی یہاں ذوات اربعہ کے نہیں بلکہ اس جگہ "حجرہ میں موجود کل صحابہ" کے ہیں۔ چنانچہ میں نے واقعہ نمبر ۵ میں ترجمہ حدیث میں یہی ترجمہ کیا بھی ہے لیکن چونکہ علما کی عام روش یہ ہے کہ اہلبیت چاہے جہاں بھی آئے اس سے حضورؐ کے داماد اور نواسے اور صاحبزادی ہی کو مراد لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کے لفظ اہلبیت سے بھی مراد اور مصداق انھیں ذوات اربع کو لیتے ہیں حالانکہ وہاں سو فیصدی ازواج رسول امہات المومنین مراد ہیں اس لئے میں نے بھی تشریح میں محمل اہلبیت ہی کہا ہے

اس حدیث میں لفظ اہلبیت جس وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اسے دیکھ کر تو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی بے تکلف اہلبیت رسول کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ آج چودہ سو برس سے بیت رسول میں مقیم ہیں۔

واقعہ (۶) :۔ حضورؐ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ مدینہ کے سات کنوؤں کا تازہ پانی بھر کر لاؤ اور اس کا دہانہ میرے پاس لاکر کھولا جائے اور پانی میرے بدن پر ڈالا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ سات الگ الگ مشکیزوں میں سات کنوؤں کا پانی بھر کر لایا گیا۔ حضورؐ ایک ٹب میں بیٹھے اور تازہ پانی آپکے سر پر مسلسل ڈالا جانے لگا۔ اس طرح غسل سے آپ کی طبیعت کچھ بحال اور ہلکی ہوگئی۔ تو آپنے صحابہؓ سے کچھ آخری باتیں کرنی چاہیں۔ آپ نے سر میں پٹی باندھی اور مسجد میں تشریف لائے اور منبر پہ بیٹھے۔ صحابہؓ نہایت اشتیاق سے آپ کے

گرد آ بیٹھے۔ آپ نے ان سے فرمایا :۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا کو اختیار کرے اور چاہے تو اللہ کا قرب پسند کرے تو اس بندہ نے وہی پسند کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔

۲۔ اس وقت میری مسجد میں کئی آدمیوں کے گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے ہیں، آج سے بجز ابوبکرؓ کی کھڑکی اور علیؓ کے دروازے کے بقیہ سب دریچے اور دروازے بند کر دیئے جائیں۔

۳۔ اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن ان سے میری صحبت اور اخوت ہے یہاں تک کہ ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوں۔ دنیا میں اور جس کسی نے بھی میرے ساتھ کچھ سلوک کیا میں نے اس کا پورا بدلہ اسے دیدیا مگر ابوبکرؓ نے جان اور مال سے مجھ پر اتنی قربانیاں کی ہیں کہ میں ان کا بدلہ نہیں دے سکا۔ اسے میں خدا کے حوالے کرتا ہوں وہی بدلہ دے گا۔

۴۔ انصارؓ میرے خاص لوگ ہیں اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان کے نیکوکاروں کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے خطاکاروں سے درگزر کرنا"

۵۔ اسکے بعد آپ نے مہاجرین و انصار کا ایک لشکر ترتیب دیا اور اس میں حضرت اُسامہؓ کو جنکی عمر صرف بیس برس کی تھی اس کا سردار مقرر فرمایا اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کو اُسامہ کے ماتحت بنایا۔ اور اپنے دست مبارک سے اس لشکر کیلئے لواء (پھریرا) بنایا اور اُسامہؓ کو دعا و نصائح دیکر فرمایا "مُوتہ جاؤ اور رومیوں سے اپنے باپ کا انتقام لو"

۶۔ اسامہؓ کی اس سرداری پر کسی نے کچھ اعتراض کیا تو حضورؐ نے فرمایا "لوگو! اسامہ کی سرداری پر اعتراض نہ کرو۔ تم نے اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ حالانکہ سردار ہونیکی اہلیت اس کے باپ میں بھی تھی، اور اس میں بھی ہے۔ پھر اسامہ سے فرمایا "اے اسامہ! اگرچہ میں نے ابوبکرؓ کو بھی تمہارے لشکر میں جانے کے لئے نامزد کیا ہے مگر میں بیمار ہوں اس وجہ سے تم ابوبکرؓ کو میرے پاس رہنے کے لئے چھوڑ جاؤ"۔ یہ فرماکر آپ پھر حجرے میں تشریف لے گئے۔ مرض کی تکلیف برابر بڑھ رہی تھی یہ دیکھ کر حضرت اسامہ نے فوج کو مدینہ کے باہر ایک دو دن رک جانے کا حکم دیا تاکہ کوئی مجاہد اگر کوئی چیز بھول گیا ہو تو اس کا تدارک کرنے اور حضورؐ سے بھی رخصت ہولے۔ چنانچہ فوج مقام جُرف میں ٹھہر گئی۔

تشریح: (۱) حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ "اس بندہ" سے مراد خود حضورؐ ہیں اور اللہ کی پسند سے مراد اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ یعنی اب حضورؐ نے حق تعالیٰ سے جاملنے کا ارادہ فرمالیا ہے یہ سمجھ کر وہ رو پڑے اسوقت تو سبکو تعجب ہوا بعد میں سب نے اعتراف کیا کہ ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ صاحب علم وفہم تھے۔ (مشکوٰۃ وفات النبی) (۲) حضرت علی کے مکان سے نکلنے کا راستہ چونکہ کسی اور طرف سے ہو نہیں سکتا تھا اسلئے مجبوراً انکا راستہ مسجد میں سے ہوکر رکھا گیا لیکن یہ صرف ابوبکرؓ کی خصوصیت تھی کہ ان کے مکان سے نکلنے کا دوسرا راستہ تھا پھر بھی انکی کھڑکی مسجد نبوی میں کھلی رہنے دی گئی جس کا نشان آج تک باقی رکھا گیا ہے (۳) بخار کا ایک علاج غسل بھی ہے اسلئے حضورؐ نے غسل فرمایا۔ سر پر سات مشکیزے پانی بہانے کا مطلب وہی ہے جو سر پر برف رکھنے یا تر رومال رکھنے کا ہے۔ (۴) اس افاقہ

کے وقفہ میں بھی نہ آپ نے وہ تحریر لکھوائی نہ حضرات علیؓ و عباسؓ و ابن عباسؓ نے آپکو یاد دلایا درآنحالیکہ ایک روایت کے لحاظ سے حضرت علیؓ ہی کو حضورؐ نے کاغذ قلم دوات لانے کا حکم دیا تھا اس صورت میں اگر حضرت علیؓ کے بارہ میں وہ وصیت نامہ نہ لکھا جا سکا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت علیؓ خود اپنے اس نقصان کے ذمہ دار ہیں یا انکی سمجھ میں بھی آ گیا کہ تحریر کا نہ ہونا ہی مشیت الٰہی ہے۔) اور یہی دوسری بات صحیح ہے۔

واقعہ (۷):۔ اگرچہ زہر کے اثر سے آپکی پسلیوں میں تیز درد ہونے لگا تھا اور بخار بھی بڑھ رہا تھا اور آپ پر برابر غشی کے دورے بھی پڑ رہے تھے مگر مغرب تک آپؐ ہر نماز کی امامت خود ہی فرماتے رہے۔ عشا کی نماز کے لیے صحابہ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت بلالؓ نے حجرہ کے دروازہ پر آکر نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دی اس پر آپؐ نے تین بار غسل (یا وضو) فرماکر مسجد میں جانا چاہا مگر ہر بار غشی ہو جاتی تھی آخر آپؐ نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھادیں" بلال ادھر گئے ادھر سیدہ عائشہؓ کو یہ وہم ہونے لگا کہ اس وقت جو شخص بھی حضورؐ کی جگہ نماز پڑھائیگا وہ منحوس و نامبارک سمجھا جائیگا اس خیال کو تو دل میں رکھا اور سیدہ حفصہؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ دل کے نرم ہیں جب وہ حضورؐ کے مصلے کو خالی دیکھیں گے تو شدّتِ گریہ سے نماز نہ پڑھا سکیں گے پھر ان کی آواز بھی پست ہے اسلئے عمرؓ کو حکم دو کہ نماز پڑھادیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو تلاش کیا گیا وہ ملے نہیں اتنے میں حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ کا نام جو لیا تو بلالؓ یا عبداللہ بن زمعہ نے حضرت عمرؓ کو امام کی جگہ کھڑا کردیا اور انھوں نے نماز پڑھانی شروع بھی کردی۔ انکی

بلند آواز سنکر حضورؐ چونکے، پوچھا کون نماز پڑھا رہا ہے کہا گیا عمرؓ۔ آپ نے ناخوش ہوکر فرمایا عمرؓ نہیں ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ اس پر سیدہ عائشہؓ نے ہمت کرکے حضورؐ سے بھی عرض کیا کہ ابوبکرؓ نرم دل ہیں مصلے کو آپ سے خالی دیکھ کر ضبط نہ کرسکیں گے اور گریہ کے باعث نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ حضورؐ نے خفا ہوکر بآواز بلند فرمایا "ہاں! تم ہی عورتیں تو حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں بھی تھیں، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ عمرؓ نماز نہ پڑھائیں ابوبکرؓ نماز پڑھائیں"۔ حضورؐ کی خفگی سنکر حضرت عمرؓ نے نماز توڑ دی اور بلالؓ پر خفا ہوئے کہ تم نے کیوں مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت تک ابوبکرؓ بھی مسجد میں آگئے تھے اس لئے حضورؐ کے حکم کے مطابق یہ امام بنے۔ نماز شروع کی تو ان کا وہ حال ہوا جسکی سب سے بہتر تعبیر حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے کی ہے ؎

در نمازم خم ابروئے تو تا یاد آمد ۔۔۔ حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

وفور گریہ سے آواز گلے میں رُندھ گئی۔ اور قریب تھا کہ صحابہؓ کی بھی چیخیں نکل جائیں چونکہ اس وقت حضورؐ کو غشی سے کچھ افاقہ ہوگیا تھا اسلئے آپ دو صحابہؓ علیؓ و عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دیتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور صفیں چیرتے ہوئے ابوبکرؓ کے پاس پہونچے اور ان کی بائیں جانب (اور بروایتے دیگر داہنی جانب) جا بیٹھے۔ ابوبکرؓ نے امام کی جگہ سے پیچھے ہٹنا چاہا آپ نے اشارہ سے انکو وہیں روکا۔ اس کے بعد آپ نے نماز پوری کی۔ ابوبکرؓ تکبیرات انتقال زور زور سے کہتے جاتے تھے مقتدی انھیں کی آواز پر نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوکر آپ نے صحابہؓ کو پھر سے حسب ذیل چند نصیحتیں کیں :-

(۱) دیکھو میری قبر کو عید (عرس اور سالانہ میلہ) نہ بنا لینا (۲) دیکھو میری قبر کو صنم اور بت کی طرح پرستش گاہ نہ بنا لینا۔ اللہ لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پرستش گاہ بنا لیا (۳) اے فاطمہ، اے صفیہ! اپنی اپنی آخرت کے لئے خود عمل کر لو۔ میں تم کو خدا (کے عذاب) سے نہیں بچا سکتا (۴) ہر نبی کی روح وہیں قبض کیجاتی ہے جہاں خدا کو اس کا دفن ہونا پسند ہوتا ہے (۵) مجھے میرے گھرانہ والے غسل دیں وہی مجھے کفنائیں اور وہی مجھے قبر میں اُتاریں (یہ سنکر صحابہ رضؓ رو پڑے) تو فرمایا (۶) میرا تم سے پہلے خدا کے یہاں چلا جانا ہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔ اگر نبی سے پہلے امت خدا کے یہاں چلی جائے تو یہ بُری علامت ہے۔ میں حوضِ کوثر پر تم سے پہلے پہونچکر تمہارے لئے انتظام درست رکھونگا۔ میں یہاں سے حوضِ کوثر کو ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں (۷) مجھے زمین کے خزانے دیدیئے گئے ہیں مجھے اس کا تو خوف نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے ہاں اس کا اندیشہ ضرور ہے کہ تمھیں دُنیا ملے اور تم باہم لاگ ڈانٹ کرکے اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جسطرح پہلے کی امتیں ہلاک ہوئیں۔"

تشریح:۔ (۱) ابوبکرؓ کی امامت کے تاکیدی حکم سے سب نے دیکھ اور سمجھ لیا کہ حضورؐ کے اس اشارتی فرمان کا (کہ بجز ابوبکرؓ کے کسی دوسرے پر نہ مسلمان راضی ہوں گے نہ خود حق تعالیٰ) کیا مطلب تھا۔ چونکہ مشیت الٰہی اپنے ایک فیصلہ کو اسی طرح پورا کرنے والی تھی اسی لئے دو دفعہ تحریر لکھانے کا ارادہ حضورؐ نے فرمایا اور دونوں بار (اختیاراً یا اضطراراً) اُسے ملتوی کرنا پڑا

(۲) استخلافِ ابوبکرؓ اور وصیتِ ابوبکرؓ کے اس ارادہ کو جسے حضورؐ تحریر لکھا کر نافذ فرمانا چاہتے تھے۔ مشیت حق اسے برابر ملتوی اسلئے کرتی رہی کہ وہ اسے تحریر سے بھی کہیں زیادہ قوی اور قابل اعتماد ذریعہ سے پورا کرنا چاہتی تھی چنانچہ حضورؐ نے انکو بجائے اپنے امامت نماز کا حکم دیکر گویا عملاً خلافت دے دی اور اپنے سامنے ساری امت سے اسپر عمل درآمد بھی کرا دیا۔ تحریر اگر بالفرض لکھ بھی لیجاتی تو بھی صحابہ وتابعین کے بعد اس میں بھی اُسی طرح کے شبہے نکالے جاتے تاویلات کیجاتیں جس طرح آج بعض صحیح اور صریح ارشاداتِ رسولؐ[1] میں ہم مشاہدہ کر رہے ہیں (۳) تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کی نیت کرکے نماز شروع کر دی تھی اسکے بعد حضورؐ تشریف لائے اور نماز پڑھائی اسکی توجیہہ فقہا نے بھی فقہ ظاہر میں کی ہے اور ماشاء اللہ خوب کی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مثلاً انھوں نے یہ کہا کہ نماز حضورؐ ہی نے پڑھائی۔ امام حضورؐ ہی تھے ابوبکرؓ محض مکبّر تھے۔" مگر چونکہ صحابہؓ اقتداءِ ابوبکرؓ اور امامتِ صحابہؓ کی نیت پہلے ہی کر چکے تھے جسمیں کوئی تبدیلی اثناء نماز میں ہو نہیں سکتی تھی اسکے متعلق فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ "یہ مخصوصاتِ نبوی میں سے تھا" مگر نہ ابوبکر نے حضورؐ کو اپنا نائب بنایا اور نہ اپنی جگہ سے ہٹے بلکہ یہ ایک بالکل ہی نئی صورت تھی کہ امام دو حضرات تھے۔ اسکی توجیہہ احقر حضرات صوفیہ صافیہ رحمہم اللہ کے طریق پر کرتا ہے۔ ہاں اسکو پیش کرنے سے قبل اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن حضرات کے نزدیک حضورؐ کی تشریف آوری پر ابوبکرؓ کی امامت آپ سے آپ ختم اور منسوخ ہو چکی تھی ان سے مجھے بہ دو وجہ اختلاف ہے ایک یہ کہ اتفاق سے روافض بھی یہی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے امامت فرما کر ابوبکرؓ کو امامت اور خلافت

[1] بلکہ قرآن تک کی تاویل میں جیسے اہلبیت رسُول سے صرف ذرّیت مراد لینا ۱۲۔

سے معزول فرمادیا تھا۔ پس اس قول میں تشبیہ بالروافض کی بو آتی ہے دوسرے یہ کہ حضورؐ نے اس روز کے علاوہ تین بار اور کبھی صحابہؓ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں۔ آخر ان مواقع پر حضورؐ کی تشریف لانے سے ان اماموں کی امامت کیوں نہ ختم ہوگئی؟ اگر ان مواقع پر امام کوئی اُمتی اور مقتدی حضورؐ ہو سکتے تھے اور نماز درست ہو سکتی تھی تو اس موقع پر بھی ایسی رکیک تاویل کیوں کیجائے؟

ابو بکرؓ کا ایک شرف خاص وہ توجیہہ خاص اس احقر سے سنیئے ؎

داستانِ عہد گل را از نظیری مشنوید ٭ عندلیب آشفتہ تر میگوید ایں افسانہ را

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کارِ نبوت تفویض کرتے وقت سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے حضورؐ کو (بغل میں دبوچ کر) "توجہ اتحادی" دی تھی اسی طرح اب کارِ خلافت تفویض کرتے وقت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابو بکر کو دراصل "توجہ اتحادی" ہی دینی چاہی تھی چونکہ حضورؐ کی روحانی قوت حضرت جبرئیلؑ کی قوت سے اعلیٰ تر تھی اسلئے آپؐ ابو بکرؓ کو اپنی بغل میں کھڑا کر کے خود حق تعالیٰ کیطرف ہمہ تن ہو گئے تاکہ روح کا تعلق (کنکشن) حق تعالیٰ سے جوڑ کر ادھر کے فیضان اور برقی لہر کو ابو بکرؓ تک پہونچا دیں تاکہ خلافت کے منصب جلیل کے تحملؔ اور اس کی استعداد انکے اندر پیدا ہو جائے۔ حضورؐ کی یہ امامت ایک تفسیر تھی "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" کی۔ ایک اظہار تھی ابو بکرؓ اور رسولؐ کی روحانی وحدت کا۔ ایک نشان تھی دونوں کی باطنی معیت اور ملکاتی عینیت کا۔ پس صحابہؓ نے یہ نماز بیک وقت ابو بکرؓ کے پیچھے بھی پڑھی اور حضورؐ کے پیچھے بھی پڑھی اسکو ایک مثال سے سمجھئے۔ فرض کیجئے ایک بچہ کچھ لکھنا چاہتا ہے اور

لکھ نہیں سکتا تو اس کا سرپرست "قلم اسکے ہاتھ میں پکڑاتا ہے"۔ اور دوسروں کی نگاہوں میں لکھنے والا بچہ ہی کو قرار دیتا ہے مگر غایتِ شفقت و محبت سے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لڑکے ہی سے لکھوانا چاہتا ہے یہ لکھنا بیک وقت بچہ کا بھی ہے اور سرپرست کا بھی۔ اسوقت بچہ کا لکھنا عین سرپرست کا لکھنا اور سرپرست کا لکھنا عین بچہ کا لکھنا ہے یہ عینیت اعتباری ہے اور یہ فنا فی الرسول کا وہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جسکی تعبیر ع من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی سے کیجا سکتی ہے اور یہ مقام بجز ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہ مل سکا (۴) حضورؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں کل چار بار اپنے امتیوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور کسی بار حضورؐ کے جماعت میں شامل ہونے سے امام اپنی امامت سے معزول نہیں ہوا۔ صحابی امام رہے اور حضورؐ مقتدی۔ ایک بار سنہ ۹ھ میں تبوک میں آپنے نماز فجر عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے پڑھی۔ ایک بار آپ کسی ضرورت سے غالباً قبا تشریف لے گئے تھے آنے میں دیر ہوئی اور نماز عصر میں ابوبکرؓ نے نماز شروع کردی حضورؐ بعد میں آکر نماز میں شامل ہوگئے۔ اکبار اسی واقعہ نمبر ۲ میں اور آخری بار واقعہ ۲ کے ایک دو دن بعد پھر ابوبکرؓ کے پیچھے (تواریخ حبیب الٰہ ص ۱۶۲) علمانے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابوبکرؓ ہی کی اقتدا میں حضورؐ کے نماز پڑھنے کا نکتہ یہ لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات اللہ کی راہ میں مال بہت خرچ کرتے تھے اور مال میں اپنے کو خدا کا امین سمجھتے تھے رضی اللہ عنہما (نکتہ) اس نماز کے بعد حضورؐ نے جو نمازیں پڑھیں وہ حجرہ کے اندر اور بیٹھ کر پڑھی ہونگی اور کیا عجب ہے کہ حجرے کے اندر ہی سہی مگر جماعت میں شامل ہوکر

ابوبکرؓ ہی کی اقتدا میں پڑھی ہوں، صحابہؓ کی نظروں کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا علم اور چرچا نہ ہو سکا ہو۔

روز دھم و یازدھم، جمعہ و شنبہ

۹-۱۰ ربیع الاوّل ۱۱ھ (۵-۶ جون ۶۳۲ء)

واقعہ (۸):- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصارؓ کی ایک مجلس کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ انصار رو رہے ہیں۔ پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے "حضورؐ کے یہاں کی حاضری یاد آتی ہے ان دنوں محروم ہیں۔ حضرت عباسؓ نے آکر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو حضورؐ نے سر میں پٹی باندھی اور باہر تشریف لا کر منبر پر بیٹھے۔ خبر پھیلی تو انصار فوراً مسجد میں جمع ہونے لگے (اس کے بعد آپؐ منبر پر جلوہ افروز نہیں ہو سکے) پہلے آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا۔ "لوگو! دیکھو انصارؓ کا بہت زیادہ خیال رکھنا۔ یہ میرے دل و جگر ہیں۔ انکے کرنے کا جو کام تھا یعنی امدادِ رسول و مہاجرین۔ اسے انھوں نے خوب پورا کیا۔ اب ان کا حق تم سب کے ذمہ ہے۔ ان کے نیکوکاروں کے عمل کو قبول کرنا اور قدر کرنا اور ان کے خطاکاروں سے درگذر کرنا" (بخاری)

واقعہ (۹):- حضرت اسامہؓ آپؐ کو دیکھنے آئے اسوقت تکلیف کی شدت سے زبان مبارک قابو میں نہ تھی۔ آپؐ نے اسامہؓ کو پاس بلا کر ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دو تین بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر پھر اسامہؓ کے سر پر رکھا گویا دعا دی، پھر

رخصت کرنے کا اشارہ کیا وہ رخصت ہو کر مدینہ سے باہر فوج سے جا ملے۔

واقعہ (۱۰) :- شام تک فوج روانہ نہیں ہوئی تھی کہ اُسامہؓ کی والدہ اُمّ ایمن نے اُسامہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ حضورؐ کی حالت زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہے اسلئے دو تین دن سفر ملتوی کر دو یہی مصلحت ہے چنانچہ وہ رُک گئے اور فوج بھی جرف میں رُکی رہی۔

روز دوازدھم یکشنبہ

۱۱ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ (۷ جون سنہ ۶۳۲ء)

واقعہ (۱۱) :- زہر کی ہیبت حضورؐ کی رگوں کے اندر خون تک پہونچ چکی تھی، جس سے بخار بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اس سے گرمی کی لپٹیں نکل نکل کر دوسروں کو محسوس ہو رہی تھیں۔ آپ نے ٹھنڈے پانی کا پیالہ بھر کر اپنے پاس رکھ لیا اور بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر ملتے کہ کچھ ٹھنڈک ملے۔

واقعہ (۱۲) :- حضرت عباسؓ نے یا ازواج میں سے کسی نے کہا کہ حضورؐ کو ذات الجنب (پسلی) کی بیماری معلوم ہوتی ہے اسلئے آپ کو لدود کرنا (منہ میں ایک جانب سے دوا اُنڈیلنا) چاہیئے آپ کو اس وقت غشی آگئی تھی اور زبان بھی قابو میں نہ تھی آپ نے اشارہ سے ہر چند منع کیا مگر لوگوں نے آپ کے منہ میں دوا انڈیل ہی دی جب آپکو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا "ذات الجنب کا مرض شیطان کے اثر سے ہوتا ہے یہ مرض نبیوں کو نہیں ہوتا اس لئے جس جس نے مجھے لدود کرنے کا مشورہ دیا ہے ان سب کے منہ میں اُسی

طرح دوا انڈیلی جائے (تاکہ اپنی ناگواری کا انتقام ہیں خود لیلوں اور اس طرح لوگ مواخذۂ خداوندی سے محفوظ رہیں) چنانچہ سوا حضرت عباسؓ کے اسوقت کے تمام حاضرین کے منہ میں دوا انڈیلی گئی حتیٰ کہ سیدہ میمونہؓ روزہ سے تھیں انکو بھی پلائی گئی۔

واقعہ (۱۳):۔ حضرت ابوبکرؓ نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حضورؐ کو مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپؐ دو صحابہ عباسؓ و علیؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے تو آپؐ نے اشارہ سے ان کو روکا اور صف میں شامل ہوکر ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی (تواریخ حبیب الٰہ صـ۱۶۱) نماز کے بعد آپؐ حجرہ میں تشریف لے گئے۔

تشریح:۔ (۱) حضورؐ کا یہ فعل ابوبکرؓ کو اپنا وصی۔ ولیعہد، خلیفہ اور امت کا امام بنانے کے سلسلہ میں چوتھا اور نہایت موثر قدم تھا کہ ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھ کر ابوبکرؓ کی ولیعہدی کو نہایت درجہ مستحکم و مؤکد کر دیا۔ پہلے زنانخانہ میں ان کی ولیعہدی کی تحریر لکھانے کا ارادہ کیا پھر صحابہؓ کے مجمع میں حضرت علیؓ کو ابوبکرؓ کی ولیعہدی کی تحریر لکھانے کیلئے بلایا مگر دونوں بار تحریر ملتوی ہو گئی۔ پھر عمرؓ کو امامت سے ہٹا کر ابوبکرؓ کو تمام صحابہ پر اپنی جگہ امام بنایا۔ پھر صحابہ سے ابوبکرؓ کی اقتدا کراکے خود نماز پڑھا دی اب خود بھی ان کے پیچھے نماز پڑھکر صحابہؓ کو دکھلا دیا کہ میں نے اپنے بعد نصبِ امام کا حکم الٰہی نافذ کر دیا۔ (۲) رسول کے وصی اور خلیفہ بلا فصل یعنی ابوبکرؓ نے امت کو کتنی نمازیں پڑھائیں؟ اسکے متعلق زیادہ مشہور قول سترہ ۱۷ وقتوں کا ہے مگر ایک قول اکیس ۲۱ وقتوں کا (اصح السیر صـ۵۷۷) اور ایک قول چالیس ۴۰ وقتوں کا بھی ہے (اصح السیر صـ۵۷۶)

واقعہ (۱۴):۔ حضورؐ کو بخار بھی تیز تھا اور درد کی تکلیف بھی زیادہ تھی۔ آپؐ

۱؎ مسند احمد میں ہے "حضرت عمرؓ نے جو نماز شروع کی تھی اُس کو توڑا نہیں تھا بلکہ نماز پوری کی تھی" مگر میرے نزدیک بخاری کی روایت زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ ۱۲ س

بار بار پانی میں ہاتھ ڈالکر چہرہ پر ملتے مگر تکلیف کی شدت سے چہرۂ مبارک پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدہ فاطمہ رو کر کہنے لگیں :۔

"ہائے ابا کو کیسی تکلیف ہے !" حضورؐ نے فرمایا بس آج کے بعد سے تمہارے ابا کو تکلیف نہ ہوگی۔" یہ سنکر وہ بیتاب ہو گئیں تو حضورؐ نے ان کو قریب بلایا اور کان میں چپکے کچھ فرمایا۔ "جبریلؑ نے اس سال رمضان میں مجھ سے قرآن شریف کا دور دو بار کیا ہے اس سے مجھے یقین ہے کہ میں اسی بیماری میں خدا سے جا ملوں گا۔" یہ سنکر سیدہ فاطمہؓ اور بھی بیتابی سے رونے لگیں تو حضورؐ نے دوبارہ انکو قریب بلا کر ان کے کان میں چپکے سے فرمایا۔ "(تم پریشان نہ ہو) میرے گھرانہ میں تم ہی سب سے پہلے آ کر مجھ سے ملوگی۔"

یہ سن کر آپ ہنسنے لگیں۔ ازواج مطہراتؓ نے سیدہ فاطمہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ نے دونوں بار کیا کہا کہ تم پہلے روئیں پھر ہنسنے لگیں۔ سیدہ فاطمہؓ نے حضورؐ کا راز بتانے سے انکار کر دیا۔ البتہ حضورؐ کی رحلت کے بعد فاطمہؓ نے حضورؐ کی فرمائی ہوئی یہ باتیں سیدہ عائشہؓ کو بتائیں۔ (بخاری)

تشریح :۔ (۱) حضورؐ کی دوسری سرگوشی کے مضمون میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ میرے گھرانہ میں تمھیں سب سے پہلے مجھ سے آ کر ملوگی۔" دوسری یہ کہ "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنتی مسلمانوں کی بیبیوں کی سردار ہو۔" میرا ذوق پہلی روایت کو صحیح اور قرین عقل سمجھتا ہے میرے نزدیک سیدہ فاطمہؓ کو غم خاتم النبیینؐ اور محترم والد کے فراق کا ہو رہا تھا اسکو مسرت اور ضحک و تبسم میں تبدیل کر سکنے والی خبر یہ ہرگز نہیں ہو سکتی کہ کیا تم جنتیوں کی بیبیوں کی سردار ہونے پر راضی نہیں۔ ہاں غم فراق کا دباؤ کم کرنے والی خبر یہ

ہو سکتی ہے کہ تم مجھ سے جلد ملو گی۔

حاکم نے اپنے مستدرک میں روایت کی ہے کہ جنتیوں کی بیبیوں کی سردار چار خواتین ہوں گی۔ ۱ سیدہ آسیہؓ زوجۂ فرعون۔ ۲ سیدہ مریمؑ والدہ سیدنا عیسیٰؑ ۳ سیدہ خدیجہؓ۔ ۴ سیدہ فاطمہؓ۔ (دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۶۶۵)

روز سیز دھم، دو شنبہ

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ (۸ جون سنہ ۶۳۲ء)

واقعہ (۱۵۱):- صحابہؓ فجر کی نماز ابو بکرؓ کی اقتدا میں پڑھ رہے تھے قرات کی آواز جب حضورؐ کے گوش مبارک میں پہونچی اس وقت حضورؐ کی طبیعت کچھ بحال ہو گئی تھی۔ آپنے حجرہ کا پردہ اٹھایا صحابہؓ کو جو یہ آہٹ ملی تو وہ یہ سمجھے کہ حضورؐ مسجد میں آنا چاہتے ہیں تو حجرہ کے دروازہ کے متصل صحابہؓ میں کچھ ہلچل سی ہونے لگی لوگ ہٹنے اور حضورؐ کیلئے جگہ نکالنے لگے۔ آپنے اشارہ سے ان کو روکا۔ اور صحابہؓ کو (سکون سے نماز میں مشغول اور اپنے نائب کی امامت میں مطمئن) دیکھ کر مسکرائے پھر پردہ گرادیا۔ (بخاری)

تشریح:- (۱) ابو بکرؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل بنانے کے سلسلہ میں حضورؐ کا یہ پانچواں اور آخری عمل تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ بہت مسرور ہوئے کہ ابو بکرؓ پر تمام مسلمان بھی راضی ہیں اور خدا تعالیٰ بھی۔ اور ابو بکرؓ کو سب نے پورے سکون

اور رضا سے میرا نائب و قائم مقام اور اپنا مقتدا و امام تسلیم کر لیا اور حضورؐ نے سوچا کہ دین کا کام جس طرح اس وقت مرے نائب کے ذریعہ بحُسن و خوبی چل رہا ہے اسُی طرح امید ہے کہ میرے بعد بھی سکون سے چلیگا۔ (۴) ایک زندہ ملت میں بیشمار مسائل پیش آتے ہیں بعض وقت ایسے عجلت طلب مسائل بھی پیش آجاتے ہیں جنکا انتظام فوراً کرنا اور جلد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مورّخوں نے حضورؐ کی علالت کے دوران میں کسی ایسے اہم کام کے پیش آنے کا اور ابوبکرؓ کے کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کا یا کسی کو عبادات و معاشرت وغیرہ کے مسائل بتانے کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ مگر میرا ذوق کہتا ہے کہ جب تک حضورؐ کو افاقہ رہا ہوگا اسوقت تک تو ایسے امور و مسائل میں حکم اور فیصلہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرماتے ہونگے لیکن حضورؐ کی غشی یا سخت کرب و بیچینی کیحالت میں اگر کوئی صورتِ حال عجلت طلب پیش آئی تو اسکا فیصلہ بھی ابوبکرؓ ہی (صحابہؓ سے مشورہ کے بعد) کرتے ہونگے۔ اگر یہ میرا قیاس صحیح ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح حضورؐ نے اپنی حیات میں ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کی مشق کرادی اسی طرح حضورؐ نے اپنے سامنے ہی ابوبکرؓ سے بعض مسائل و معاملات میں امت کو احکام بتانے کی ٹریننگ اور مشق بھی کرادی اور صحابہؓ پورے سکون و رضا سے ابوبکرؓ کی ماتحتی میں دین و ملت کی ترقی کے کام کرنے لگے تھے اور سبکو اس ارشاد کی تصدیق حاصل ہوگئی تھی کہ "...... ابوبکرؓ کے سوا کسی پر نہ خدا راضی ہوگا نہ مسلمان" اور اس صورت میں ابوبکرؓ کی امارتِ مسلمین اور خلافت سید المرسلین کا کام ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ سے نہیں بلکہ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

واقعہ (۱۶) :- دن خوب چڑھ لیا۔ حضورؐ کی طبیعت آج کچھ بحال تھی (للہ

میں ثابت ہوا کہ طبیعت کی یہ بحالی موت کا سنبھالا تھی) حضرت علیؓ حضورؐ کی عیادت کرکے جب حجرہ سے نکلے تو لوگوں نے اُن سے حضورؐ کی احوال پُرسی کی۔ انھوں نے فرمایا "خدا کا شکر ہے آج صبح سے حضورؐ کی طبیعت بہت اچھی ہے"۔ (بخاری) یہ کہہ کر حضرت علیؓ اپنے (کام سے یا) گھر چلے گئے۔ اسی طرح ابو بکرؓ نے بھی بحالی دیکھ کر حضورؐ سے اجازت لی کہ میں ذرا اپنی سُسرال مقام سُنح ہو آؤں اور اپنی زوجہ کو دیکھ آؤں۔ حضورؐ نے اجازت دیدی اور وہ سوار ہو کر اُدھر چلے گئے۔ حضورؐ کچھ دیر بیٹھے صحابہؓ سے باتیں کرتے رہے۔ بہت سے اصحابؓ.......... حضورؐ کی مزاج پُرسی کو آئے تھے سب حضورؐ کو بحال پا کر یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھر یا کام پر جانے لگے۔

واقعہ (۱۷) :۔ حضورؐ کو یکایک یاد آیا کہ سات دینار جو صبح کو آئے تھے وہ ابھی تک گھر میں موجود ہیں۔ اسلئے آپنے چونک کر سیدہ عائشہؓ سے وہ دینار منگائے اور فوراً فقراء پر تقسیم کرا دیئے اور فرمایا کہیں مجھ سے باز پرس نہ ہو کہ میں اس حال میں خدا سے ملا کہ میرے گھر میں دنیا تھی"۔

واقعہ (۱۸) :۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی مزاج پُرسی کو آئے، انھوں نے عرض کیا کہ "میں نے خواب دیکھا ہے کہ چاند زمین پر تھا وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا (دوسری روایت میں یوں ہے کہ زمین مضبوط رسیوں سے باندھ کر اٹھائی جا رہی ہے) حضورؐ نے فرمایا "وہ تمھارا بھتیجا ہے"۔ یعنی تعبیر یہ ہے کہ میں اب اٹھا لیا جاؤں گا۔

(سیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۳۸۴)

واقعہ (۱۹) :۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کے پاس سے باہر نکلکر حضرت علیؓ کو

ڈھونڈا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر علٰحدہ لے گئے اور کہا "بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ تین دن کے بعد تم عُبَیدُالعصا (ڈنڈوں کے غلام اور دوسروں کے زیر اقتدار) ہو جاؤ گے۔ حضورؐ اس مرض سے اچھے نہ ہو سکیں گے۔ میں خاندان عبدالمُطّلب کے چہروں کو پہچانتا ہوں کہ موت کے وقت کیسے ہو جاتے ہیں۔ چلو اسی وقت حضورؐ سے پوچھ لیں کہ آپکے بعد آپؐ کا جانشین کون ہوگا؟ اگر حضورؐ ہم لوگوں کو فرمائیں گے تو ہمیں اس کا علم ہو جائیگا اور اگر حضورؐ نے کسی اور کو فرمایا تو ہم حضورؐ سے اس معاملہ میں (اپنے مستحق تر ہونے کے بارہ میں) گفتگو کرینگے"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "میں تو پوچھنے نہیں جاؤنگا۔ کیونکہ اگر حضورؐ نے اس وقت انکار کردیا تب تو پھر کوئی صورت ہی نہ ہو سکے گی کہ ہم جانشین ہو سکیں"۔ (بخاری)

تشریح:۔ (۱) حضرت عباسؓ نے ابوبکرؓ کی مسلسل امامت نماز سے قیاس کیا ہوگا کہ رسول ہاشمی کی خلافت اب شاید ابوبکرؓ تیمی کو ملیگی اور سب ان کے ماتحت ہونگے۔ (۲) یہ دونوں حضرات عربؐ عجم غرض ہر جگہ کے رواج وراثت کو دیکھتے ہوئے دیانتداری سے یہ رائے رکھتے تھے کہ کسی کی جانشینی اسکے خاندان و اولاد ہی میں محدود رہنی چاہیئے اور حکومت موروثی ہونی چاہیئے یہی نظریہ ہر جگہ شائع تھا۔ اسلام جو اصولِ وراثت یہ مقرر کرنا چاہتا تھا کہ اِنَّ اَکرمکم عند اللہ اتقاکم اور اِنَّ الاَرْضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ اس کا تصور اور وہم بھی ان حضرات کو نہ تھا اسلئے یہ کوئی تعجب یا اعتراض کی بات نہ تھی۔ اس سلسلہ میں پہلی ہدایت نبوی غالباً وہی ہوتی جو حضورؐ نے زنانخانہ میں ابوبکرؓ کی ولیعہدی کی وصیت لکھانے کے متعلق سوچی تھی۔ مگر وہ تحریر لکھی نہ جا سکی اسلئے منشاءِ خدا و رسول کا علم

ان حضرات کو نہ ہو سکا البتہ قابلِ تعجب بلکہ لائقِ ماتم حالت ان مصنفین کی ضرور ہے جو امیر معاویہ رض پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کو موروثی بنا دیا حالانکہ بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی سیدنا علی رض نے بھی اپنے بعد سیدنا حسن رض کو خلیفہ بنانے کا اشارہ کر دیا تھا۔ (سرّ الجلیل ص)

واقعہ (۲۰) :- اب بخار پھر تیز ہوا۔ غشی پھر ہونے لگی۔ اتنے میں عبدالرحمن رض بن ابوبکر رض مسواک کرتے ہوئے عیادت کو آئے۔ حضور چونکہ خود مسواک بہت استعمال فرماتے تھے اس لئے آپنے مسلسل مسواک کیطرف دیکھنا شروع کیا حضرت عائشہ سمجھ گئیں پوچھا:-

"کیا آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں؟" زبان قابو میں نہیں تھی تو سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ سیدہ عائشہ رض نے مسواک ان سے لیکر دھو کر حضور کو دی مگر حضور کا دستِ مبارک بھی مشکل سے حرکت کر سکتا تھا تو سیّدہ عائشہ رض نے اپنے ہاتھ میں مسواک لیکر حضور کے منہ میں دی مگر حضور اسے دانتوں سے بھی دبا کر کوچ نہیں سکتے تھے تو عائشہ رض نے عرض کیا۔ "کیا میں اسے کوچ کر آپکے لئے نرم کر دوں؟" آپنے اشارہ کیا ہاں تو عائشہ رض نے اسے اپنے دانتوں سے کوچ کوچ کر خوب نرم کر دیا اور پھر اپنے ہی ہاتھ سے حضور کے دہان مبارک میں اسے ہر طرف گھما پھرا کر دانت اور منہ کو خوب صاف کر دیا۔

تشریح :- سیدہ عائشہ اس پر برابر فخر کرتی تھیں کہ جب حضور کا تعلق اس دنیا سے ختم اور آخرت سے تعلق شروع ہو رہا تھا اس وقت میرا تھوک حضور کے تھوک سے ملا تھا اور آپنے میرے ہی حجرہ میں میری ہی باری کے دن اس حال

میں انتقال فرمایا کہ آپ کا سر مبارک میرے سینہ اور پیٹ کے درمیان تھا۔ (۲)
عائشہ کو یہ شرف اسلئے بھی ملا کہ دنیا زوجہ و ذوجیت کا فرق دیکھ لے اور زوجہ ہی کو اہلبیت مانے۔

واقعہ (۲۱) :- چونکہ حضور کو بےچینی بہت تھی اور بخار بھی تیز تھا اسلئے آپ گھبرا کر پانی میں بار بار ہاتھ ڈبوتے اور چہرۂ مبارک پر ملتے تھے۔ سیدہ عائشہؓ نے آپ کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس پر ہاتھ پھیر پھیر کر حضور سے سنی ہوئی یہ دعا پڑھ کر آپ پر دم کرنے لگیں۔ "اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ! اِشْفِ وَ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا" تو حضور نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کانپتے ہوئے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے فرمانے لگے :-
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَاجْعَلْنِي فِي الرَّفِيقِ الْاَعْلٰى[1]۔

تشریح :- سیدہ عائشہؓ سمجھ گئیں کہ اب حضور ہم میں نہیں رہنا چاہتے اور اس وقت شفا مطلوب ہی نہیں اس وقت تو لقاء رب اور رفیق اعلیٰ کی رفاقت ہی مطلوب ہے۔

واقعہ (۲۲) :- ابھی بعض وہ صحابہؓ جو صبح کو حضور کی طبیعت کی بحالی سنکر عیادت اور زیارت کو آئے تھے مسجد میں بیٹھے ہی تھے دن بہت کچھ ڈھل چکا تھا کہ حضرت جبرئیلؑ نے حاضر ہو کر حق تعالیٰ کا سلام پہونچایا اور عرض کیا کہ حق

---

[1] حصن حصین شریف کی شرح میں اس مقام پر ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بھی اپنی حالت نزع میں یہی کلمات دہراتے تھے۔ انتہی۔ صدیق اکبرؓ کو حضورؐ سے جو معیت روحانی حاصل تھی اس کا ظہور چند مواقع پر ہوا۔ غار میں۔ مدینہ پہونچکر لوگ ابو بکرؓ کو یارسول اللہ کہہ کر سلام کرتے اور یہ ان سے مصافحہ کرتے جواب دیتے۔ حضورؐ نے دیکھنے سننے پر بھی منع نہیں فرمایا۔ فتنۂ ردت میں۔ اساریٰ بدر کے فیصلہ میں اور یہاں ۱۲-

تعالیٰ نے میرے ساتھ عزرائیلؑ کو بھی بھیجا ہے کہ آپ جیسا حکم دیں وہ اسکی تعمیل کریں۔ اگر آپ قبضِ روح کی اجازت دیں تو یہ روح قبض کریں ورنہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "میں تو اب رفیق اعلیٰ ہی سے ملنا چاہتا ہوں اس لئے اے عزرائیل تم اپنا کام کرو"۔ اس پر انھوں نے قبضِ روح کا کام شروع کیا۔ (حضورؐ کے قویٰ چونکہ مضبوط تھے اس لئے) حضورؐ کو بہت بےچینی تھی۔ چہرہ مبارک پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا غشی پھر طاری ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر ازواجِ مطہرات پھر حضورؐ کے گرد جمع ہونے لگیں۔ سیدہ عائشہؓ یہ تغیرِ حال دیکھ کر گھبرا گئیں اور انھوں نے فوراً محلہ سُنح میں سالم نام غلام کو بھیجکر اپنے والد ابوبکرؓ کو بلوایا۔ سیدہ فاطمہؓ نے بھی سیدنا علیؓ کو اور سیدہ حفصہؓ نے سیّدنا عمرؓ کو بلوایا مگر قبض روح تک کوئی نہ آسکا۔ یہاں حضورؐ کی حالت زیادہ بگڑتی گئی اور آپ کی زبان مبارک سے دو ہی کلمے برابر نکلتے رہے ایک "الرّفیق الاعلیٰ" اور دوسرا "الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم"۔

تشریح:۔ (۱) اس میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کی زبان مبارک سے آخری کلمہ کیا نکلا۔ بعض نے پہلے جملہ کو آخری کلمہ بتایا ہے اور بعض نے دوسرے جملہ کو۔ میرے ذوق کو دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ کا قلب مبارک تو ہر وقت ہی خصوصاً علالت میں حق تعالیٰ کی طرف لگا رہتا تھا اس لئے الرفیق الاعلیٰ تو حضورؐ کا حال اور مقام تھا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کلمہ حضورؐ کے عروج کی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے مگر چونکہ حضورؐ سیدالمرسلین اور سیدالنبیین تھے اور آپ کی نبوت آپکی ولایت پر برابر غالب رہی ہے تو نبوت کے مناسب نزول ہی ہے جسکا درجہ

عروج سے بڑھ کر ہے اسلئے حضورؐ کی شانِ اعلیٰ اور منصب ختم رسالت کے مناسب اسوقت آخری حالت نزول کی حالت اور آخری کلمہ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم کا جملہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ② آخری ارشاد میں حضورؐ نے الصلوٰۃ کہہ کر تو اُمت کو حقوق اللہ کے ادائیگی کی تاکیدی ہدایت فرمادی اور وما ملکت ایمانکم فرما کر حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف اہتمام سے توجہ دلادی۔ اسطرح آخری وقت میں پوری شریعت کی تعلیم دو کلموں میں دیکر دریا کو کوزہ میں بند کردیا۔ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ھَادِیْ سُبُلِ السَّلَامِ۔

واقعہ (۲۳) یکایک حضورؐ کی نظر مبارک چھت سے لگ گئی۔ جسم بوجھل ہونے لگا کہ سیدہ عائشہؓ کو تحمل دشوار ہوگیا اور وہ سمجھ گئیں کہ روح مبارک رفیق اعلیٰ سے جاملی۔ تو انھوں نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھ کر سر مبارک اپنی گود سے اتار کر آہستہ سے زمین پر رکھدیا اور چادر اُڑھادی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ ازواج مطہراتؓ غایت صدمہ سے بیتاب ہوگئیں مگر سب نے حضورؐ کی تعلیم "اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی" پر عمل کرنے کے لئے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا نہ نوحہ کیا نہ بین کیا نہ صفِ ماتم بچھائی نہ رونے والیوں کو بلایا بلکہ آنکھوں سے آنسو بہاتی اور زبانوں سے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتی رہیں اس سے یکایک ایک شور سا بلند ہوگیا۔ مسجد نبوی میں جو صحابہؓ موجود تھے وہ حجرۂ عائشہؓ کیطرف دوڑ پڑے کہ ابھی تو حضورؐ کو افاقہ تھا اب یہ کیا ہوا؟ بعضوں نے سمجھا کہ شاید غشی کا دورہ یکایک پھر پڑ گیا۔ سب سے پہلے حضرت عباسؓ لپکے اور پردہ کراکے حجرہ مبارکہ میں گئے۔ حضورؐ پر چادر اُڑھائی دیکھ کر سمجھ

سمجھ گئے کہ حضورؐ اپنے رب سے جا ملے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہوئے نمناک آنکھوں اور غمناک
چہرہ کے ساتھ باہر آئے اور مسجد میں صحابہؓ کا جو مجمع اکٹھا اور منتظر تھا انکو اطلاع حضرت
عباسؓ ہی نے دی یہ وقت سہ پہر کا تھا۔ (تواریخ حبیبِ الٰہ صـ۱۲۶۔ اصح السیر صـ۵۷۹) آن کی
آن میں یہ خبر سارے مدینہ میں پھیل گئی۔

تشریح:۔ (۱) جسوقت روح مبارک نے پرواز کی عین اس وقت حجرۂ عائشہ میں مرد کوئی بھی نہ تھا۔ حجرہ میں جملہ اہلبیت قرآنی یعنی ازواجِ مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن تھیں اور اہلبیت حدیثی میں سے صرف سیدہ فاطمہؓ تھیں۔ مسجد نبوی میں کچھ صحابہؓ البتہ موجود تھے۔ (۲) وفاتِ نبوی کے بعد سب سے پہلے مرد حضرت عباسؓ جسد اطہر کے پاس گئے انھیں نے مسجد میں آکر صحابہؓ کو اطلاع دی (۳) اگرچہ ازواجِ رسولؐ، اُمت کی مائیں تھیں پھر بھی احکامِ ستر و حجاب انکے لئے بھی تھے۔ قرآن میں ہے کہ "اے صحابۂ رسولؐ! ازواج رسولؐ سے اگر تم کوئی چیز مانگنا چاہو تو پردہ کی آڑ سے مانگنا"، اور حدیث میں ہے کہ "اے عائشہؓ و ام سلمہ! اگر عبداللہ بن ام مکتوم نابینا ہیں تو تم تو نابینا نہیں ہو اسلئے تم ان سے بھی پردہ کرو" اسلئے حضرت عباسؓ ہوں یا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم یہ سب پردہ کراکے اجازت لیکر حجراتِ نبوی میں جاتے تھے۔

واقعہ (۲۴):۔ سیدہ فاطمہؓ کے بلانے پر سیدنا علیؓ اور سیدنا حفصہؓ کے بلانے پر سیدنا عمرؓ اور ان کے ساتھ سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ حجرۂ مبارک پر آئے حضرت عمرؓ نے آواز دیکر سیدہ عائشہؓ سے حضورؐ کا حال پوچھا انھوں نے اس سانحہ جانفرسا کی اطلاع دی حضرت عمرؓ کا دل اس خبر کو کسی طرح قبول نہیں کرتا تھا انھوں نے اسکو سچ

نہیں سمجھا اور جب حضرت مغیرہؓ نے حضورؐ کے انتقال وارتحال کی تصدیق کی اور تسلیم کرلیا تو حضرت عمرؓ ان سے جھگڑنے لگے کہ "نہیں انتقال نہیں فرمایا ہے بلکہ اپنے رب سے ملنے گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے تھے۔ ابھی تو دین کے بہت سے کام کرنیکو باقی ہیں۔ سنو جو شخص حضورؐ کی اس حالت کو موت اور وفات کہیگا میں اسے قتل کردونگا"۔ حضرت عثمانؓ نے جونہی یہ خبر سُنی انکو سکتہ ہو گیا۔ نہ کسی سے بولنا نہ چالنا نہ حس وحرکت۔ حضرت علیؓ کا بھی بجنسہ یہی حال ہو گیا گویا زبان سے گویائی اور جسم سے حرکت سلب ہو گئی۔ (سرور المحزون) حضرت عبداللہؓ بن انیس نے جیسے ہی یہ خبر سُنی انکے قلب کی حرکت بند ہو گئی اور ان کا انتقال ہی ہو گیا (اصح السیر صا۸۵) بقیہ صحابہؓ پر بھی گویا بجلی سی گر پڑی۔ کوئی رو رہا تھا۔ کوئی بدحواس تھا کوئی آہیں بھر رہا تھا۔ سیدہ فاطمہؓ "وا ابتاہ! الی جبرئیل ننعاہ الخ" وغیرہ کہہ کر حضورؐ کے فضائل کا ذکر اور یاد تازہ کررہی تھیں۔ غرض تمام لوگ اسی طرح شدت غم سے بدحواس تھے کہ دروازہ کے بازو سے ایک آواز اس طرح آئی کہ کہنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ "اے حاضرین! تم پر اللہ تعالیٰ کا سلام ورحمت اور برکتیں ہوں۔ سنو اللہ کی کتاب میں تسلی (کا کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ موجود) ہے اس میں ہر آفت و مصیبت سے تسلی ہے اور ہر وفات پانے والے کا عوض ہے اور ہر گُم ہونے والی چیز کا تدارک ہے تو تم لوگ صرف اللہ ہی کا بھروسا رکھو اور اسی سے آسرا لگاؤ۔ آفت زدہ شخص وہ

---

۵ صحابہؓ کیطرح صحابیاتؓ کو بھی حضورؐ سے ایسی ہی محبت تھی حکایات الصحابہ میں ہے کہ ایک صحابیہؓ نے آکر سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ میں حضورؐ کی قبر شریف کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔ سیدہ عائشہؓ ان کو لیکر قبر شریف کے پاس آئیں جیسے ہی انہوں نے قبر شریف دیکھی چیخ مار کر گر پڑیں اور انتقال کر گئیں رضی اللہ عنہا۔

وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو (آپ لوگ تو اسی کلمہ کو پڑھکر ثواب حاصل کر ہی رہے ہیں)"
آواز ختم ہوئی لوگ بولنے والے کو تلاش کرنے لگے تو حضرات ابوبکرؓ و علیؓ نے فرمایا۔
"آپ لوگ کچھ سمجھے بھی؟ کہ یہ کون بول رہا تھا؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے آپکو تسلّی دینے آئے تھے (حصن حصین ص۱۴۵ از مستدرک حاکم)

تشریح:۔ (۱) حضراتِ صحابہؓ کو ایک تو حضورؐ سے بیحد محبت تھی۔ دوسرے خبر انتحال شائع ہونے سے کچھ ہی دیر قبل حضورؐ کی حالت بہتر دیکھ چکے تھے۔ تیسرے انکو بعض امورِ مثلِ اہلاک منافقین۔ ارشاد و تعلیم صحابہؓ کے متعلق انتظار اور یقین تھا کہ ابھی یہ سب کام باقی ہیں اور حضورؐ ہی کو انھیں کرنا چاہیئے ان اسباب کی بنا پر اس خبر نے ان پر ایسا اثر کیا کہ گویا حواس ہی بیکار ہو گئے تھے ہم لوگ چونکہ انکی محبت رسولؐ کے انتہائی درجہ کا اندازہ نہیں کرسکتے اسلئے ہم کو صحابہؓ کے اس تغیر حال پر تعجب ہوتا ہے

(۲) اگرچہ غم سب کو تھا مگر مردوں میں صرف حضرات عباسؓ اور ابوبکرؓ کے ہوش و حواس برجا تھے اور عورتوں میں اُمّہاتُ المومنینؓ کے۔

واقعہ (۲۵):۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب سالم بن عُبید سیدہ عائشہؓ کے بھیجے ہوئے پہونچے تو شدتِ غم سے ان کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے معاملہ کی تہ کو پالیا اور فوراً گھوڑے پرسوار دوڑے آئے۔ مسجد نبوی کے باہر اور اندر لوگوں کو بدحواس دیکھا۔ طبیعت کو سنبھالتے ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہوئے سیدھے حجرہ پر اور اجازت کے بعد حجرہ کے اندر جانے لگے۔ اندر بہت بھیڑ تھی آپ نے فرمایا لوگو مجھے ذرا جانیکی جگہ دے دو (شمائل ترمذی) لوگوں نے جگہ دی آپ آگے بڑھے اور جسد اطہر پر سے چادر ہٹائی۔ شدت غم سے کلیجہ منہ

کو آرہا تھا مگر انتہائی ضبط سے کام لیکر جھکے۔ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا "آپ حیات میں بھی پاکیزہ تھے اور بعد وفات بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کریگا" پھر حضور کے رخسارِ مبارک پر رخسار رکھا اور بے اختیار رو دیئے۔ پھر سنبھلے اور اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہوئے حضور کو چادر اڑھا کر باہر آئے۔ مسجد میں ہر شخص انتہائے غم میں ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ مگر جب حضرت عمرؓ کو قسم کھا کر یہ کہتے سنا کہ "جو شخص یہ کہے گا کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا میں اسے قتل کر دونگا" تو ان سے خطاب کرکے کہا "اے خدا کی قسم کھانے والے! بس اپنی جگہ خاموش رہ" پھر سیدھے منبر رسولؐ پر چڑھے حضرت عمرؓ کو ڈانٹنے کی آواز سنکر لوگوں کے ہوش ٹھکانے آئے اور سب کے سب منبر کے آس پاس جمع ہونے لگے۔ آپ نے یہ توحید بھری الہامی تقریر فرمائی۔

"لوگو! تم میں سے جو شخص ذاتِ محمدؐ کی پرستش کرتا رہا ہو اسے تو یہ معلوم (کرکے مایوس) ہو جانا چاہیئے کہ محمدؐ تو وفات پا گئے۔ ہاں جو شخص خدائے واحد کی پرستش کرتا رہا ہے تو وہ یہ سن (کر یقین کر) لے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی زندہ ہیں۔ ان کو موت نہیں آسکتی۔ خدا فرماتا ہے محمدؐ ایک پیغمبر اور قاصدِ حق ہی تو تھے (خدا تو نہیں تھے) ان سے قبل بھی بہت سے پیغمبر پیدا ہو کر گزر چکے (اور وفات پا چکے) اگر یہ محمدؐ بھی وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ پھر (جاہلیت بر) الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اچھا تو پھر جو جو الٹے پاؤں پھریگا تو وہ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیگا (ہاں کچھ اپنا ہی نقصان کرلیگا) اور (جو نہ پھریگا تو) ہم اسلام کے ایسے قدر دانوں کو عمدہ بدلہ دینگے۔" (بخاری)

تقریر ختم ہوئی تو صحابہؓ کی آنکھیں کھُل گئیں اور زبانیں بند ہوگئیں اور سب نے اعتراف کیا کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت آج اتری ہے۔

تشریح:۔ یہ (۱) یہ ابوبکرؓ کا پہلا پیغمبرانہ کارنامہ تھا کہ جب شدت غم سے صحابہؓ کے حواس اور اعضا بیکار ہوگئے تھے جب وہ حضورؐ کی بشریت کو بھول گئے تھے جب قرآن کی آیت انکو فراموش اور توحید ذہنوں میں مضمحل ہوگئی تھی۔ جب قرآن کی آیت اور توحید کی تعلیم ان کے ذہنوں میں مضمحل ہوگئی تھی۔ اسوقت ابوبکرؓ نے انکے باطن میں تصرف کیا اور انکی روحانی تربیت فرمائی۔ توحید خالص کا چراغ انکے دلوں میں پھر سے روشن کیا یہی وجہ ہے کہ سب صحابہؓ نے بالاتفاق اسکا اعتراف کیا کہ واقعی ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ جانشینیٔ رسول کے مستحق ہیں کیونکہ آیت وما محمدٌ الا رسول ایسا معلوم ہوا کہ آج (گویا ان پر) نازل ہوئی۔

اس کے بعد قرینہ یہ ہے کہ لوگ متفرق ہوگئے ہونگے۔ کوئی حضورؐ کی تجہیز کی فکر میں لگا ہوگا اور کوئی یہ سوچکر کہ جب تک حضورؐ کے کفن دفن کا انتظام ہو میں اتنے میں اپنا فلاں کام کرلوں۔ اپنے کام میں لگا ہوگا۔

واقعہ (۲۶):۔ سیدنا علیؓ۔ زبیرؓ۔ عباسؓ۔ طلحہؓ۔ مقدادؓ اور بنوہاشم کی ایک جماعت نیز ابوسفیانؓ اموی بیت فاطمہ میں جمع ہونے لگے (سیرت حلبیہ[1] ج ۳ ص ۳۹۴ بخاری[2] کتاب الحدود باب رجم الحبلیٰ۔ فتح الباری[3] ج ۱۲ ص ۱۲۶۔ طبری[4] ج ۷ ص ۱۸۲) تاکہ حضورؐ کا خلیفہ کسی کو تجویز کریں کچھ لوگوں نے وہاں حضرت علیؓ کو تجویز کیا اس پر بعضوں کو انکار یا تردد تھا تو حضرت زبیرؓ نے تلوار نکال کر کہا کہ "بیعت علیؓ سے جو شخص انکار کریگا میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دونگا" (الفاروق ج ۱ ص ۶۹) ابوسفیانؓ اموی گو بنوہاشم سے نہ تھے مگر چونکہ بنوہاشم و بنوامیہ کے مشترک جدامجد عبد مناف کی اولاد

میں وہ بھی تھے اسلئے انھوں نے بھی حضرت علیؓ ہی کو خلیفہ تجویز کیا دو وجہ سے ایک تو اس وجہ سے کہ ابو سفیانؓ اور عباسؓ میں باہم بڑی دوستی تھی اور حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ ہی کو ووٹ دیا تھا تو ان کی موافقت میں حضرت ابو سفیانؓ نے بھی انھیں کو ووٹ دیا دوسرے حضرت ابو سفیانؓ عبد منافی تھے اور قریش کے سپہ سالار رہ چکے تھے اسلئے وہ اپنے خاندان بنو عبد مناف ہی میں امارت وحکومت دیکھنا بھی چاہتے تھے تو انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا:۔

" اے علیؓ! تمھارے ہوتے ہوئے بنو تیم کے ابو بکرؓ کیسے رسولؐ ہاشمی کے خلیفہ بنجائیں گے۔ اگر تم اشارہ کرو تو واللہ میں ابو بکرؓ کے خلاف سوار اور پیادوں سے مدینہ کی گلیاں بھر دوں "۔ (یعقوبی ۲۰۔ ج ۲ صفحہ ۱۲۴ بہ تغیر یسیر) مگر بات پوری طور پر طے نہیں ہونے پائی جسوقت بیت فاطمہؓ میں خلیفہ کے انتخاب کی یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت جسد نبوی کے پاس نہ انصار تھے اور نہ حضرات علیؓ وعباسؓ و مذکورہ افراد بنو ہاشمؓ تھے اس وقت تو حضورؐ کے جسدِ مبارک کے پاس ابو بکرؓ اور عمرؓ اور چند مہاجرین تھے حدیث میں ہے کہ لوگ ابو بکرؓ سے پوچھنے لگے اے صاحبِ رسولؐ! کیا حضورؐ وفات پا گئے؟ انھوں نے کہا ہاں وفات پا گئے۔ پھر پوچھنے لگے اے صاحب رسولؐ! کیا ہم حضورؐ پر بھی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کیسے؟ انھوں نے کہا کچھ لوگ حجرہ ہی میں جائیں چار تکبیرات کہیں دعا کریں درود بھیجیں پھر باہر نکل آئیں پھر کچھ اور لوگ اندر جائیں اور اسی طرح نماز پڑھ کر نکل آئیں تو اسی طرح سب نماز پڑھیں پھر پوچھنے لگے اے صاحبِ رسولؐ! کیا حضورؐ کو بھی دفن کیا جائے گا؟ انھوں نے کہا ہاں پوچھا کہاں؟ کہا جس جگہ آپ کی روح قبض ہوئی تب صحابہؓ کو یقین آیا کہ

حضورؐ کی وفات سچ مچ ہوگئی۔ پھر ابوبکرؓ نے ان کو حکم دیا کہ حضورؐ کو آپ کے چچیرے بھائی اور بھتیجے غسل دیں اس وقت جب بعض مہاجرین (علی۔ زبیر۔ عباس رضی اللہ عنہم) بیت فاطمہؓ میں جمع ہوئے کہ مشورہ کریں ابوبکرؓ نے بھی بقیہ مہاجرین میں کہا کہ دین کی حفاظت کیلئے ایک نگراں کی ضرورت ہے تم لوگ اس کے بارہ میں اپنی رائیں دو۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ انصار کی شرکت بھی مشورہ میں ضروری ہے اس لئے ان کے محلہ میں چلنا چاہئیے،

ادھر کسی نے عمرؓ کو پکار کر کہہ بھی دیا کہ جلدی خبر لو انصار باہم خلیفہ کا انتخاب کر رہے ہیں اسلئے ابوبکرؓ و عمرؓ وہاں گئے۔" (خصائل نبوی صفہ ۳۵ بہ تغیر) یعنی لوگوں کو حضورؐ کی تجہیز کی فکر تھی مگر جب اس میں قدم قدم پر لوگوں میں رائے کا اختلاف ہونے لگا اور کچھ لوگ ابوبکرؓ سے پوچھنے لگے۔ اے صاحب رسول یہ کام کیسے ہو؟ تو ابوبکرؓ نے بھی ضرورت دیکھ کر صحابہؓ کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ "دین کے عام امور کے لئے بھی اور تجہیز رسولؐ کے خاص کام کیلئے بھی ایک نگراں سردار کی ضرورت ہے تم لوگ اسکے بارہ میں اپنی رائیں دو۔"

یہ لوگ ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ دیوار کے پیچھے سے کسی نے حضرت عمرؓ کو آواز دی۔ "اے عمرؓ جلد آؤ۔" انھوں نے کہا "ہٹو۔ ہم یہاں حضورؐ کے انتظامات میں مشغول ہیں ہمیں اس کی فرصت نہیں۔" (الفاروق ج ۱ صـ ۶۶ بحوالہ فتح الباری ج ۱۲ صـ ۱۳۶ وغیرہ)

پکارنے والے نے پھر کہا "کچھ خبر بھی ہے محلہ بنوساعدہ میں انصار اپنی مسقف چوپال میں جمع ہو کر خلیفہ منتخب کر رہے ہیں جلد جا کر خبر لو ورنہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائیگا۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے موقع کی نزاکت سمجھ کر ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور بیتِ عائشہؓ سے نکل گئے۔ راستہ میں انھوں نے بیت فاطمہؓ میں حضرات علیؓ و عباسؓ وغیرہم کو انتخاب

خلیفہ کیلئے مجمع کرتے دیکھا چونکہ حضرات علیؓ و عباسؓ بھی قریشی تھے اسلئے خلافت کا استحقاق ان کو بھی تھا اس لئے ان کو منع تو نہیں کیا مگر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ "جب تک ہم واپس نہ آئیں اس وقت تک آپ جسد اطہر کے پاس جا کر ٹھہرے رہئے"۔ یہ کہہ کر دونوں آگے بڑھ گئے راستہ میں دو آدمی ملے انھوں نے ابو بکرؓ و عمرؓ سے پوچھا کہاں جا رہے ہو انھوں نے کہا سقیفۂ بنو ساعدہ میں انصار کے جھگڑے کا تصفیہ کرنے جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا "وہاں نہ جائیے تو بہتر ہے وہ لوگ کچھ نہ سنیں گے"۔ مگر یہ دونوں نہ رُکے سقیفہ کیطرف چلے کیونکہ مشیت الٰہی یہی تھی کہ امام المسلمین ابو بکرؓ ہی وہاں کے فتنہ کو فرو کرینگے۔ غرض یہ دونوں وہاں پہونچے تو دیکھا کہ انصار کے اکابر جمع ہیں۔ ایک طرف بعض انصار مقررین یکے بعد دیگرے مناقب انصار اور ان کی شاندار خدمات پر تقریریں کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کے مشہور رئیس حضرت سعدؓ بن عبادہ کمبل اوڑھے بخار میں کانپ رہے ہیں۔

پہلے حضرت سعدؓ نے منقبت انصار میں ایک مختصر تقریر میں کہا کہ "انصار کو فضیلت حاصل ہے۔ انھوں نے حضورؐ کی حمایت و نصرت میں دوسرے قبائل اور شہر والوں کے مقابلہ میں سبقت کی۔ اسلئے خلافتِ رسولؐ میں کسی کو ان سے نزاع نہ کرنا چاہیئے انصار نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ غرض انصار کی رائے تھی کہ حضرت سعدؓ خلیفہ بنائے جائیں (خضری ج ۱ ص۱۶۵) ایک مقرر نے کھڑے ہو کر پہلے خدا کی حمد و ثنا کی پھر حضورؐ پر درود بھیجا پھر کہا۔

"ہم اللہ کے مددگار و انصار ہیں۔ ہم اسلام کی فوج ہیں۔ اے مہاجرین آپ لوگ بس شہری لوگ ہیں اب آپ کی قوم چاہتی ہے کہ ہم کو سرداری سے الگ کر دے"۔

(بخاری)

حضرت عمرؓ نے راستہ ہی سے دل میں ایک مضمون تقریر کرنے کیلئے سوچ لیا تھا جب انصاری مقرر خاموش ہوا تو حضرت عمرؓ نے خود بولنا چاہا مگر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو روکا اور خود کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور جو کچھ حضرت عمرؓ سوچکر آئے تھے وہ سب بلکہ کچھ زیادہ ہی باتیں برجستہ کہدیں۔ انھوں نے کہا "آپ لوگوں نے انصار کے مناقب میں جو کچھ کہا وہ سب سچ ہے آپ لوگ ان فضائل کے اہل ہیں مگر تمام عرب لوگ خلافت کے معاملہ کو بجز قریش کے اور کسی قبیلہ میں دیکھنے پر راضی نہ ہوں گے کیونکہ ان کا نسب سب سے اعلیٰ اور سب سے ملا ہے"۔

یہ سنکر ایک انصاری مقرر نے کہا "ہم مدینہ کے قدیم باشندے اور یہاں کے رئیس ہیں۔ ہم نے حضورؐ کی مدد کی اور حضور کیلئے سرداری سے دستبردار ہوئے تھے اب حضورؐ کے بعد سرداری ہمارے ہی اندر واپس آنی چاہیئے بس اے انصار اگر مہاجرین میں سے کوئی شخص خلیفہ بنے تو ہرگز نہ تسلیم کرنا"۔

ابو بکرؓ نے پھر کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثنا اور حضورؐ پر درود کے بعد کہا:۔

"اے گروہ انصار! اسلام میں آپ کی خدمات یقیناً بہت ہیں۔ حضورؐ نے بھی انکا اعتراف اور ذکر فرمایا اور آخر وقت تک ہمیں آپ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک ہی کا حکم دیتے رہے مگر جانشینی کا معاملہ دوسرا ہے اس کے متعلق حضورؐ کا یہ ارشاد آپ لوگوں نے بھی سنا ہوگا کہ امام قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ سارا عرب اگر کسی کے سامنے جھک سکتا ہے تو وہ صرف قبیلۂ قریش ہی ہے اسلئے کہ وہ کعبۃ اللہ کے پاسبان ہیں اور دینی برتری انھیں کو حاصل ہے"۔

یہ سن کر انصار کچھ تردد میں پڑ گئے کچھ سوچنے لگے کہ خباب بن منذر انصاری بولے:۔

"حضورؐ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی مہاجر کو کسی کام پر مقرر فرماتے تو ان کے ساتھ ہم انصاریوں سے بھی ایک آدمی کو لگا دیتے اس سے حضورؐ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر و انصار دونوں ملکر دین کا کام انجام دیا کریں اسلئے میری رائے یہ ہے کہ اس امر خلافت میں بھی اسی نبوی اصول کو پیش نظر رکھئے اور ایسا کیجئے کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک امیر ہم انصاریوں سے ہو۔ دونوں ملکر برابر کام کریں"

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعدؓ کو جو بخار میں مبتلا تھے مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اے سعدؓ! مجھے خوب یاد ہے جب حضورؐ نے ہمکو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "قُرَیْشٌ وُلَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ" (اس کار خلافت کے والی اور حاکم قریش ہی ہیں) اسوقت تم بھی وہاں موجود تھے تمکو بھی حضورؐ کا یہ ارشاد یاد ہو گا اسلئے سوچو کہ تم لوگوں کا یہ اصرار اسکے کتنا خلاف ہے اسکے علاوہ بیک وقت دو خلیفہ کا ہونا بھی غلط اور مضر ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امیر اور خلیفہ تو ہم مہاجرین میں سے ہو اور وزیر تم انصاریں میں سے"

ابنؓ منذر نے ابوبکرؓ کی تجویز سنکر کہا "میں یہ تجویز نہیں مانتا" حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کو بھی سخت جواب دیا اس پر دونوں میں باہم تیز گفتگو ہونے لگی اور قریب تھا کہ آمین بالجہر کے بعد رفع یدین بھی ہونے لگے کہ کچھ صحابہؓ نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ ابوبکرؓ نے پھر سمجھاتے ہوئے انصار سے کہا:۔

"اے گروہ انصار! آپ لوگوں نے حضورؐ کی حیات میں اسلام کی مدد کی اور آج مخالفت کر رہے ہیں۔ اس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو بہت نقصان

پہونچیگا۔ حضور کی ہدایت "قریش وُلاۃ ھذا الامیر" کو تسلیم کیجئے۔ یہ عمرؓ موجود ہیں بڑے صاحب فضائل۔ اور یہ امین امت ابو عبیدہؓ موجود ہیں ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے اور افتراق و اختلاف کی باتیں نہ کیجئے"۔

ابو بکرؓ کی خود فراموشی کے ساتھ کی یہ نصیحت کارگر ہوئی سب سے پہلے انصار میں سے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"اے جماعت انصار! تم نے اسلام اور رسول اللہ صلعم کی مدد اور خدمت کی اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کی تھی۔ اس کا ثواب تمہارے لئے حق تعالیٰ کے پاس تیار ہے مگر اب اس وقت ارشاد رسولؐ سنکر تو اس سے اختلاف نہ کرو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو۔ تم کو ارشاد رسولؐ تسلیم کرنا اور امیر بننے سے باز آجانا چاہیئے"۔

حضرت بشیرؓ کی اس حق پسندی کا سہارا پاکر حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر جلد اس فتنہ کو فرو کریں تو جلدی سے بول پڑے:۔

"اے لوگو! جس جماعت میں ابو بکرؓ ہوں اس میں کوئی دوسرا کیونکر سردار ہو سکتا ہے؟ ہم میں کون ایسا ہے جس میں یہ تین فضائل جمع ہوں، ایک حضورؐ کے ساتھ رفاقت جسے خدا نے فرمایا "ثانی اثنین اذھما فی الغار" دوسرے خدا نے ان کو حضورؐ کا صاحب کہا یہ خطاب اور کسی صحابی کو قرآن نے نہیں دیا۔ فرمایا اذ یقول لصاحبہ "تیسرے یہ کہ خدا نے اپنے کو ان دو کا ساتھی بتایا فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" تو آخر کون ہیں وہ دونوں؟"

(خصائل نبوی صفحہ ۲۵) پھر جب حضورؐ نے ان کو دین میں ہمارا امام مقرر فرمایا ہے

تو ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اب اپنے دنیاوی معاملۂ امارت میں ان کو امام نہ تسلیم کریں ؟ لائیے ابو بکرؓ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں سب سے پہلے رسولؐ کی جگہ آپ کو امام (مقتدا) ماننے کی بیعت کرتا ہوں"۔

حضرت عمرؓ کا ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا منجانب اللہ تھا۔ حضورؐ کی حیات میں حضرت عمرؓ ہی وہ صحابی تھے جنکی رائے کے موافق وحی قرآنی آتی تھی اس وقت بھی ان کا یہ فعل الہامی تھا کہ اس کی برکت سے انصار بھی بیعت کو بڑھے۔ سب سے پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد اور زیدؓ بن ثابت نے بیعت کر کے بیعت ابو بکرؓ میں سابقین اولین کا درجہ حاصل کیا انکا بیعت کرنا تھا کہ اہل سقیفہ کا پھر رنگ ہی بدل گیا۔ شیطان نے جو وسوسہ ڈالکر اختلاف پیدا کرنا چاہا تھا وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلوص بھری باتوں سے دلوں سے محو ہو گیا اور سب نے اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا"، کا منظر آنکھوں سے دیکھ لیا۔ انصار رضی اللہ عنہم کے قلوب پھر ایمان اور اطاعتِ امیر کے جذبات سے سرشار ہو گئے اور تمام جماعت انصار (اوس و خزرج) یکے بعد دیگرے اس ہنگامی بیعت کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو انصار کا بیعت ابو بکرؓ کرنا پسند نہ آیا کیونکہ وہ خود اپنے لئے خلافت کے خواہشمند تھے۔ اسی لئے خود انھوں نے ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی۔

ایک آدمی نے طنز سے کہا "ارے تم لوگوں نے تو سعدؓ کو قتل ہی کر ڈالا کہ ان کو خلیفہ بنانے کی جگہ ابو بکرؓ کو بنا لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ان کو ہم نے نہیں خدا ہی نے قتل کر دیا کہ امت کا اجماع ابو بکرؓ پر ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے پھر حضرت سعدؓ کو سمجھایا کہ اختلاف مناسب نہیں تو بات ان کی سمجھ میں آگئی اور

انھوں نے بھی بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ (تواریخ حبیب الٰہ صـ۱۶۹) یہی روایت تو ہی معلوم ہوتی ہے ورنہ ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔

تشریح :۔ (۱) اس کے بعد غالبًا سب نے نماز عشا باجماعت پڑھی اور انتظامات کفن دفن کو دوسرے دن کیلئے ملتوی کیا گیا (۲) دشمنان دین نے وفات رسولؐ کے بعد انتخاب خلیفہ کے کام پر دو فریب کھڑے کئے ہیں ایک یہ کہ چونکہ صحابہؓ دنیا کی محبت میں مبتلا تھے (معاذ اللہ) اسلئے ابھی حضورؐ کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اسکو چھوڑ کر خلافت کی فکر میں پڑ گئے۔ اس کا جواب چند سطور بعد میں ہے دوسرے یہ کہ تمام انصار اور ابو بکرؓ و عمرؓ سب کو خلیفہ بننے کی فکر تھی اور سیدنا علیؓ و عباسؓ حضورؐ کے جسد اطہر کے پاس انتظام میں مشغول تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث اور تاریخ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کی فکر سب سے پہلے حضرات علیؓ و عباسؓ کو ہوئی تھی بلکہ ان کو تو حضورؐ کی حیات ہی سے خلافت کی فکر اس کا انتظار اور توقع تھی جیسا واقعہ ۱۹ میں گزرا پھر حضورؐ کی وفات کے بعد انصارؓ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی فکر خلافت سے بھی قبل حضرات علیؓ و عباسؓ بیت فاطمہؓ میں جمع ہو کر خلافت ہی کی فکر کر رہے تھے حضورؐ کے جسد اطہر کو سب سے پہلے انھیں حضرات نے چھوڑا تھا اور تجویز خلیفہ کے لئے چھوڑا تھا۔ دشمنان دین کو چونکہ صحابہ اور خصوصًا ابو بکرؓ اور عمرؓ کے خلاف افترا کرنا تھا اسلئے انھوں نے حضرت علیؓ کے اس فعل کو تو افترا کے جوش میں چھپایا۔ رہے اہلسنت والجماعت تو انھوں نے حضرت علیؓ کے اس فعل کا ذکر اس لئے نہیں اچھالا کہ ان کے نزدیک یہ کام حبّ دنیا کا تھا ہی نہیں تو آخر

وہ کسی کو (اور خاصکر حضرات علیؓ و عباسؓ جیسے بزرگوں کو) اسپر الزام کیوں دیتے نتیجہ یہ ہوا کہ انصارؓ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا خلافت کے معاملہ میں پڑنا اور اسکو تجہیز رسولؐ پر مقدم کرنا تو سب کو معلوم ہوگیا اور خوب مشہور ہوگیا لیکن حضرات علیؓ و عباسؓ کی طلب خلافت اور جسد اطہر کو چھوڑ کر چلدینا مشہور نہیں ہوسکا (۳) نصب امام در اصل ایک اہم دینی معاملہ اور ایک فوری عقلی تقاضا تھا جسکو ایک طرف ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی محسوس کیا۔ (دیکھو واقعہ ۲۶)

دوسری طرف انصارؓ نے بھی اپنے سقیفہ میں اس نصب امام کا چرچا علانیہ کردیا تیسری طرف حضرات علیؓ و عباسؓ نے بیت فاطمہؓ میں اسی کام کو خفیہ انجام دینا چاہا۔ جب ایک ہی کام کو ایک ہی وقت میں تین نیکوکار روشن ضمیر جماعتیں ضروری محسوس کرکے الگ الگ بطور خود انجام دینے لگیں تو طبع سلیم کے نزدیک تو یہ صاف منشاء نبوی و مشیت ایزدی اور امر دینی نظر آتا ہے۔ بس انتظام خلافت کا کام انجام دینا تو ہرگز قابل اعتراض نہیں تھا البتہ حضرات صحابہؓ کرام جیسی منظم اور بے نفس جماعت سے اس انتظام خلافت کی یہ صورت کہ کئی ٹولیاں الگ الگ بے نظمی کے ساتھ بطور خود انجام دینے لگیں۔ البتہ قابل تعجب تھا اگر شروع ہی سے سب یکجا ہوکر ایک نظم کے ساتھ امرھم شوری بینھم پر عمل کرتے تو یقیناً وہ زیادہ بہتر اور زیادہ موزوں صورت ہوتی (۴) مگر اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں انجانیں کیا کیا اور کتنی مصلحتیں مخفی ہوتی ہیں۔ صحابہؓ بشر تھے کوئی بھی معصوم نہ تھے ان کے ساتھ بشری نفوس بھی تھے اور نفوس کے تقاضے بھی تھے اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ادنیٰ ادنیٰ تحریک اور اشتعال سے

نفس کے تقاضوں پر بعض وقت عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے مگر چونکہ حضورؐ کی نظر کیمیا اثر و صحبتِ اکسیر مرتبت کے فیض یافتہ تھے اسلئے وہ حضرات دنیا کے بڑے سے بڑے غوث اور قطب سے بھی کہیں بڑھکر نفس کے قہر و تسلّط سے آزاد ہو چکے تھے۔ وہ حضرات تعلیم الٰہی "اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ۝" کے کامیاب اور مثالی متعلم تھے۔ ان پر نفس کا اثر بس آنی اور فانی ہی ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو پیش کر کے دنیا کو دکھلا دینا چاہا کہ حضرت خاتم النبیین کی تعلیم و تربیت کس درجہ مؤثر تھی کہ صحابہؓ اپنی غلطیوں پر بہت جلد متنبہ ہو کر پوری بے نفسی اور للّٰہیت سے کام کرنے لگے۔ اگر یہی صورت حال کسی دوسری قوم کو پیش آتی تو ناممکن تھا کہ وہ اسقدر جلد معاملات کو سلجھا سکتے۔ جس طرح حضورؐ کی حیات میں ازواجِ رسولؐ نے بشریت کے تقاضے سے نفقہ میں توسیع چاہی تھی اور اس سے ایک وقتی فتنہ اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اسی طرح بعد رسولؐ طلب خلافت کا یہ ہنگامہ اٹھا۔ اس وقت کا ہنگامہ رسولؐ کی برکت سے دور ہوا اور اس وقت کا خلیفۂ رسول وصی رسولؐ کی برکت سے دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ اُمت پختہ کار ہو چکی ہے ہر طرح کے معاملات کو بے نفسی سے خود طے کر سکتی ہے اور اب اس قابل ہو گئی ہے کہ امامت عالم کا کام انجام دے سکے۔ یہ امت اصول جمہوریت کی امام بن چکی ہے اپنے پیش آمدہ امور کو باہم شوریٰ اور اطاعتِ امیر کی برکات سے حسن و خوبی سے طے کر سکتی ہے قرآن و سنّت کے بعد کسی مزید "قرطاس" یا کسی تحریری وصیت" کی محتاج نہیں۔ (۵) حق تعالیٰ کو یہ بھی دکھانا تھا کہ نبیؐ نے جو احتمال ظاہر کیا تھا کہ "کہیں میرے بعد کوئی کہنے والا کہنے نہ لگے الخ وہ فی الحقیقت پیش آنے

والے واقعات ہی تھے جو ان پر منکشف کئے گئے تھے کہ پیمبر ہر چہ گوید دیدہ گوید
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ (٦) اگر خدانخواستہ اس وقت مدینہ میں کوئی قتل ہو جاتا
تو کیا صحابہؓ اس کا ضروری تصفیہ کرنیکو تکفین رسولؐ پر مقدم نہ کرتے ؟ اگر کرتے
تو فتنہ کو تو قتل سے بھی بڑھ کر مانا گیا ہے اسے تو یقیناً تکفین نبیؐ پر مقدم کرنا چاہیئے
تھا۔ رہا اس کا اندیشہ کہ تاخیر سے جسم مبارک میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے تو اس
کی طرف سے ان کو خوب اطمینان تھا حضرت ابوبکرؓ کے ارشاد طِبْتَ حَیًّا
وَّمَیِّتًا کا ایک مطلب یہ بھی تھا (٧) حضرات شیخینؓ کا سقیفہ میں جانا انصار
کی غلط اندیشی کی تصحیح کرنے اور ناگہانی فتنہ کو فرو کرنے کی غرض سے تھا اس وقت
انتخاب خلیفہ کا موقع ہی کہاں تھا ؟ نہ اس کا کسی کو وہم تھا۔ (ابوبکرؓ نے نگراں
کی ضرورت اگرچہ بیان کی تھی اور اس پر سب کو غور کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی مگر
مطلب یہ تھا کہ تدفین سے فراغت کے بعد یہ ایک کام بھی کرنا ہے) مگر سقیفہ میں
جو حالات دیکھے اور جو خیالات سنے ان کا تقاضا یہی تھا کہ مسئلہ خلافت کو ملتوی
نہ کیا جائے بلکہ فوری طور پر اس کا پورا فیصلہ ہی کر دیا جائے اس طرح زبانیں بند
کرنے کیلئے ہنگامی طور پر منجانب اللہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہو گیا (یہی مطلب
تھا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا کہ "اِنَّمَا کَانَتْ خلافۃ ابی بکر فلتۃً")
مشیت الٰہی بھی اسی طرح تھی کہ خلیفہ مقرر ہو جائے جس سے ایک طرف تو اختلاف
کا فتنہ فرو اور دیگر امیدواروں کی تمناؤں کا خاتمہ ہو جائے اور دوسری طرف
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز کے انتظامات اس محیر العقول نظم و ضبط سے
انجام پائیں کہ ہاشمی گھرانہ والے بھی تیمی خلیفہ کے حکم کے ماتحت ہر کام کریں ورنہ حضرت

ابو بکرؓ کا اصل اور عام انتخاب سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول کو مسجد نبوی میں عمل میں آیا جس میں سب نے پورے غور و فکر اور طوع و رغبت سے بڑے پیمانہ پر پورے نظم و ضبط کے ساتھ ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس طرح حضورؐ کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ

"ابو بکرؓ کے سوا کسی دوسرے پر نہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے نہ تمام مسلمان"

اگر خدانخواستہ حضرات شیخینؓ بروقت سقیفہ میں نہ پہونچ جاتے تو اور تو خدا جانے کیا کیا حالات پیش آتے مگر عقلاً اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ (ابو بکرؓ کو تو خلافت کی خواہش تھی ہی نہیں) اصل میں امیدوارانِ خلافت دو تھے۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا سعدؓ۔ بنو ہاشم و بنو امیہ تو سیدنا علیؓ کو خلیفہ بناتے اور انصار حضرت سعدؓ کو خلیفہ بناتے اور بظاہر دونوں کے تیور ایسے ہی تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہ ہو سکتا (یہ ابو بکرؓ ہی کی شخصیت تھی جنکے حق میں مروّۃً اور عقلاً اور مجبوراً سبھی کو دست بردار ہو جانا پڑ گیا) ورنہ شاید اسی وقت دو خلیفہ بنتے اور بقیہ صحابہؓ بھی دو گروہ بنکر کسی نہ کسی کی طرف ہو جاتے اور آپس میں ایسی سخت خونریز جنگ ہوتی جیسی صفین میں ہوئی کہ نہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کے حق میں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوئے اور نہ سیدنا علی ان کے حق میں۔ مگر یہ اتنا بڑا فتنہ جو اسقدر جلد وفات رسولؐ کے موقع پر فرو ہو گیا تو اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو لوگوں کے ذہنوں پر تدفین رسولؐ کا ایک تقاضا (عقلی۔ عشقی۔ اخلاقی تقاضا) سوار تھا اسلئے خلیفہ بننے کا خیال ہنگامی طور پر تو دلوں میں ضرور آ گیا مگر سکون و اطمینان کے ساتھ یہ خیال دلوں میں نہیں آ سکا۔ دوسرے ابو بکرؓ کی بابرکت اور پُرخلوص شخصیت آڑے آ گئی۔

ورنہ اگر خدانخواستہ کہیں یہی فتنہ مسلمانوں میں بعد تدفینِ رسولؐ پیش آتا تو فراغت واطمینان کے باعث اسکے جلد طے ہونیکی کسی طرح امید نہیں تھی۔ (۸) اگرچہ خود حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ مجھے امام نماز۔ امام زکات۔ امام حج بنا گئے ہیں اسلئے ان کو سمجھنا سہل تھا کہ امت کو میرے ہی ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے اور انھیں خلافت کیلئے عمر یا ابو عبیدہ کسی کا نام نہ پیش کرنا چاہئے تھا۔ مگر تین وجوہ سے ابوبکرؓ نے اپنا نام نہیں لیا۔ ایک تو اسلئے کہ انکو اپنی خلافت۔ امارت اور امامت وحکومت کی ذرّہ بھر بھی تمنا یا خواہش یا انتظار نہ تھا۔ دوسرے انھوں نے تواضعاً اور ایثاراً دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اپنے سے کم درجہ کے دو آدمیوں کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ انھوں نے جب خود حضورؐ کو دیکھا کہ نبیؐ ہو کر اپنے امتیوں کے پیچھے چار بار نمازیں پڑھیں تو اس سے ان کا ذہن درّاک اس نادر اصول تک پہونچگیا کہ "افضل کے ہوتے مفضول بھی امام نماز اور امیر ملت بن سکتا ہے"۔ (یہی اصول تھا جسے حضرت معاویہؓ نے بھی تعلیماتِ رسولؐ سے اور پھر اس سیرت صدیقؓ سے سمجھا تھا اور استخلافِ یزید کے موقع پر برتا تھا) آخر حق تعالیٰ نے بھی تو "خلافت ارضی" کیلئے مفسد خاکی کو منتخب کیا۔ اور نوری معصوم کو باوجود استحقاق جتانے کے نظر انداز کر دیا۔ سیّدنا حسینؓ البتہ صرف عالی نسبی اور نیک کرداری کو شرطِ خلافت سمجھتے رہے (۹) اگر طبیعت میں عناد۔ ضد۔ جہالت۔ تقلید کورانہ وغیرہ نہ ہو تو بات صاف طور پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ درحقیقت ابوبکرؓ دوسرے تمام صحابہؓ سے اور خاصکر حضرات علیؓ وعباس رضی اللہ عنہما سے بچند وجوہ خلافت

کے زیادہ مستحق تھے۔

(الف) یہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے یعنی بہ الفاظ دیگر آپ ہی تھے جنکو تمام صحابہؓ سے زیادہ صحبت رسولؐ اور معیت رسولؐ کا شرف حاصل تھا۔

(ب) آپنے تبلیغ اسلام میں سب سے زیادہ اذیت، کفّار کے ہاتھوں اٹھائی سخت مار کھائی۔

(ج) آپنے اسلام پھیلانے کی ایسی پُرخلوص کوشش کی کہ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے جن میں چھ حضرات (عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، عبدالرحمنؓ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم) تو ایسے مسلمان ہوئے جو اپنے سچے اسلام کے باعث اسلام کے دس رتن یعنی عشرہ مبشرہ میں شامل کر لیے گئے لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جو حضورؐ کے بھانجے تھے اور حضرت سعد بن ابی وقّاص مالک جو حضورؐ کے ماموں تھے اور حضرت زبیرؓ جو حضورؐ کے پھوپھا تھے یہ سب بھی مسلمان ہوئے تو ابوبکرؓ کے اثر۔ ترغیب اور کوشش سے۔

(د) آپنے ابتداء اسلام میں اللہ کی راہ میں ۳۵-۴۰ ہزار درہم کی خطیر رقم بے محابا بخوشی خرچ کر دی۔

(ہ) آپنے سات لونڈی غلاموں کو جو کفّار کے قبضہ میں تھے اور اسلام لانیکے جرم میں سخت ترین ہولناک جسمانی اذیتیں جھیل رہے تھے انکو صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے خرید کر آزاد کر دیا۔

(و) جب حضورؐ طائف میں تبلیغ کو تشریف لے گئے تو ابوبکرؓ ہی کو مکہ میں تبلیغ مزید کے لئے مسلمانوں کی حفاظت و نگرانی کیلئے اور امامت نماز کیلئے چھوڑ گئے تھے۔

(ز) حضورؐ نے ابوبکرؓ کو جس طرح نماز جیسی بنیادی عبادت کا امام بنا کر امت کو انکی اقتداء کا حکم دیا اسی طرح اسلام کی مزید دو بنیادی عبادتوں پر بھی انکو اپنا خلیفہ

اور امت کا امام بنا دیا تھا ایک زکاۃ پر کہ لوگوں کو حکم دیا کہ میرے بعد زکاۃ لاکر ابوبکرؓ کو دیں اور دوسرے حج پر کہ امت پر اپنی بجائے ابوبکرؓ ہی کو امیر الحج بنا کر بھیجا اور امت کو حکم دیا کہ انکی امارت میں حج ادا کریں پس جب اسلام کی تین بنیادوں (نماز۔ زکاۃ۔ حج) پر حضورؐ نے انکو اپنی جگہ امامِ امت اور اپنا خلیفہ بنا دیا تو ان کے مقابلہ میں اب کسی دوسرے کا استحقاق خلافتِ رسول کیلئے رہ ہی کہاں گیا؟

(ح) حضرت ابوبکرؓ کا قلبِ مبارک تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ آنحضرت کے قلب مبارک کے قریب تھا اور ابوبکرؓ کی پسند حضورؐ کی پسند کے قریب تھی کہ تقریباً تمام ہی صحابہؓ نے حتیٰ کہ سیدنا عمرؓ و علیؓ نے بھی حضورؐ کی رائے مبارک سے مختلف واقعات میں اختلاف کیا۔ مگر ابوبکرؓ کچھ اس طرح فنا فی الرسولؐ تھے یا بالفاظ دیگر ان کو حضورؐ سے کچھ اسطرح کی روحانی معیت اور مذاق کی وحدت و عینیت حاصل تھی کہ ہر معاملہ میں (مثلاً صلح حدیبیہ کی شرائط میں۔ قیدیانِ بدر کے معاوضے میں) انکی کبھی رائے بعینہ وہی ہوتی تھی جو حضورؐ کی ہوتی رسولؐ کا خلیفہ بلافصل واقعی اسی شان کا ہونا چاہیئے تھا۔

(ط) ہجرت کے موقع پر ابوبکرؓ ہی نے تن من۔ دھن اور جن (پورے خاندان اور غلام) سے حضورؐ کی جاں نثارانہ خدمات انجام دی ہیں (کہ خود غار میں رفیق سفر تھے۔ بیٹی اسماءؓ کھانا لاتی تھیں۔ بیٹے عبداللہ خبریں لاتے تھے۔ عامر غلام بکریاں لاکر دودھ پلاتا تھا سفر کے لئے اونٹنیاں ابوبکرؓ ہی نے خرید کر کھلا پلا کر تیار رکھیں بیوی کھانا پکا کر بھیجتیں) اور "صاحب رسولؐ" کا خطاب پایا۔ ایسی نمایاں اور ممتاز خدمات کے بعد بھی اگر ابوبکرؓ خلیفہ بلافصل نہ ہوتے تو ظلم ہی تھا اور ظلم سے اللہ اور اسکے رسول پاک ہیں۔ ابوبکرؓ کی ان خدمات کے بعد بھی سیدنا عباسؓ یا علیؓ یا سعد (رضی اللہ عنہم) کا اپنے اپنے لئے خلافت کی تمنا

کرنا اور اپنے اپنے کو ابوبکرؓ سے زیادہ مستحق سمجھتے رہنا صاف یہ بتاتا ہے کہ وراثت کا رواج عام اور عالمی تصور کس طرح ان بزرگوں کے ذہنوں پر بھی مسلط تھا جسکی اصلاح، اسلام جیسے ترقی پسند مذہب کیلئے ضروری تھی۔

حضورؐ کی وفات سے دفن تک ۳۳ یا ۳۴ گھنٹوں کا وقفہ ہوا تھا کیونکہ دوشنبہ کو دن ڈھلے (سہ پہر کو) آپکی وفات ہوئی اور سہ شنبہ کا دن گذار کر سہ شنبہ اور چہارشنبہ کی درمیانی شب کے نصف میں آپ دفن ہوئے اس وقفہ پر دشمنان صحابہؓ چاہے جتنے وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالیں مگر انصاف یہ ہے کہ اتنا اتنا وقفہ تو ہمارے بعض عام گھرانوں میں بھی کفن دفن کے انتظامات کرنے میں ہو جاتا ہے۔ میں ذیل میں (محض قیاس سے) حضورؐ کے ضروری انتظامات کفن دفن کا اور اس میں صرف ہونیوالے وقت اور گھنٹوں کا ایک نقشہ پیش کرتا ہوں اسے غور اور انصاف سے دیکھئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تو واقعی حضرات صحابہؓ کرام کی ایک کرامت ہی تھی کہ انھوں نے اتنے متعدد انتظامات کو کس حسن و خوبی سے صرف ۳۴ گھنٹوں کے اندر انجام دے لیا (وقت کا اندازہ ہندوستان میں ماہ جون کے وقت کے لحاظ سے رکھا گیا ہے):۔

نقشہ صرف اوقات از وفات نبوی تا تدفین نبوی

۱۔ وفاتِ نبوی	دوشنبہ ۴ بجے سہ پہر
۲۔ صحابہ کا اجتماع و اضطراب	" ۵ بجے تک
۳۔ نماز عصر باجماعت	" ۵½ بجے
۴۔ ابوبکرؓ کی آمد اور خطبہ	" ۵¾ بجے
۵۔ شیخینؓ و مہاجرین کو فکر تجہیز مسجد نبوی میں	دوشنبہ ۵¾ بجے
۶۔ مشورہ خلافت انصار بنو ہاشم	" ۶ بجے
۷۔ شیخین کا سقیفہ جانا	" ۶¼ بجے
۸۔ قسط اول سقیفہ کی مناظرانہ بحثیں اور نماز مغرب	" ۷¼ بجے

۹۔ قسط دوم سقیفہ کی بحثیں و ہنگامی بیعت ابوبکرؓ	دوشنبہ	۹ بجے تک
۱۰۔ نمازِ عشاء باجماعت	″	۹¼ ″
۱۱۔ مسجدِ نبوی میں بیعتِ عامہ شیخین کا خطبہ	سہ شنبہ	بعد فجر سوا ۱۲ بجے دن تک
۱۲۔ نمازِ ظہر باجماعت	″	۲ بجے
۱۳۔ واقعہ ۲۷ والے امور پر بحث اور تصفیہ	″	۳ بجے تک
۱۴۔ قبر کی تیاری اور غسل	″	۵ بجے تک
۱۵۔ نمازِ عصر	سہ شنبہ	۵½ بجے
۱۶۔ تکفین	″	۵¾ بجے تک
۱۷۔ نمازِ جنازہ ملائکہ	″	۶½ بجے تک
۱۸۔ نمازِ مغرب	″	۷¼ بجے تک
۱۹۔ نمازِ جنازہ صحابہ کبار و صحابیات اصغار صحابہ	″	۱۲ بجے رات تک
۲۰۔ تدفین	″	۱ بجے رات

سہ شنبہ ۔ ۱۳ ربیع الاوّل

واقعہ (۲۷) ؛۔ بعد نمازِ فجر مسجدِ نبوی میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت عامہ ہونیکی تجویز ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ منبر پر چڑھ کر ضروری باتوں کا اعلان اور ان کی اطلاع لوگوں کو دیں مگر حضرت ابوبکرؓ کے کھڑے ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا :۔

"مسلمانو ! کل میں نے کچھ باتیں کیں اور کچھ باتیں کہی تھیں تو وہ غم کے غلبہ میں اپنی طرف سے کی اور کہی تھیں ۔ نہ تو اس کا ذکر کہیں قرآن مجید میں ملا ۔ اور نہ ان باتوں کی کوئی وصیت مجھے رسول اللہؐ نے فرمائی تھی ۔ میں نے جو کہا تھا کہ حضورؐ کی وفات نہیں ہوئی تو مجھے امید دراصل یہی تھی کہ ابھی حضورؐ اتنے زمانہ تک اور زندہ رہیں گے کہ ہمارے تمام ضروری مسائل کا انتظام و تدبیر فرما دیں ۔ اچھا اگر اب حضورؐ کی وفات ہو گئی ہے تو قدر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر ایک روشنی (قرآن)

باقی رکھی ہے جسکو تم اگر مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے تم کو (سقیفہ کے فتنۂ انتخاب میں) مجتمع رکھا اور تمہارے دین و دنیا کے تمام معاملات کا انتظام ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدیا جو تم میں سب سے بہتر اور برتر ہے یعنی صاحبِ رسول اللہ ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ چنانچہ کل سقیفہ میں جو کچھ ہوا (کہ ہنگامی طور پر انصار کی ایک بڑی جماعت نے سقیفہ میں ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خاص کر لی) وہ تم کو معلوم ہی ہے اب اُٹھو کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت عام کرو۔"

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سن کر لوگ کھڑے ہوئے وہ بھی جنھوں نے کل سقیفہ میں ہنگامی بیعت کی تھی اور وہ بھی جو اس وقت موجود نہیں تھے سب یکے بعد دیگرے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس میں کافی وقت لگا اور نہایت نظم و ضبط سے مسجد نبوی میں علی الاعلان حضرت ابو بکرؓ کی بیعت عامہ ہوئی جس سے نہ کسی نے انکار و تردد کیا اور نہ تخلّف کیا۔ حضرت علیؓ کے بارہ میں اگر چہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے چھ ماہ تک حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ان کو اس بیعت عامہ کی اطلاع ہوئی تو چادر کندھے پر ڈالتے ہوئے تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے اور انھوں نے بھی بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور پہلا خطبہ دیا۔

"لوگو! میں تمہارا نگراں اور والی چنا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں بہتر نہیں ہوں اگر میں راہ راست پر چلتا رہوں تو تم سب میرے ساتھ تعاون کرنا اور اگر میں (خدانخواستہ راہ راست سے) انحراف کروں تو تم سب مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی کو میں

امانت جانتا ہوں (لہذا میں بھی اسکا حق ادا کرونگا اور تم سے بھی اس کا مطالبہ کرونگا) تم میں جو کمزور ہوگا تو وہ میرے نزدیک قوی ہوگا۔ خدا نے چاہا تو میں اس پر ظلم کرنے والے سے اسکا حق دلا کر رہونگا اور جو تم میں زبردست بنا ہوگا میں اُسے کمزور سمجھونگا کہ اس سے مظلوم کا حق لیکر چھوڑونگا۔ دیکھو یاد رکھو جو قوم جہاد کو ترک کردیگی (اور حق پھیلانے اور حقدار کو جائز حق دلوانے کیلئے اپنی جیسی جدوجہد اور کوشش کرنا بھی چھوڑ بیٹھے گی) تو خدا اسکو ذلیل ورسوا کردیگا اور جس گروہ میں بدکاری پھیلیگی اس پر آسمان سے بلائے عام نازل ہوگی۔ جب تک میں خود اللہ اور اسکے رسول ؐ کی اطاعت کرتا رہوں اسوقت تک تم پر بھی میری اطاعت لازم ہے ہاں جب میں خود ہی خدا و رسول ؐ کی نافرمانی کرنے لگوں تو پھر تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔ اچھا اب اُٹھو اور نماز پڑھو خدا تم پر رحم فرمائے۔"

تشریح:۔ (۱) حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے کچھ ہی قبل ۲۳ھ میں حج سے واپس آکر مدینہ میں ایک مجمع میں ایک تقریر میں کہا تھا "شاید میری موت قریب آگئی ہے۔ ..... میں نے سُنا ہے کچھ لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ عمرؓ کے انتقال پر ہم تو فلاں کے ہاتھ پر بیعت کرینگے (تو سن رکھو اب بیعت خلافت بے مشورہ ہو نہیں سکتی۔ ابوبکرؓ کی ہنگامی خلافت کو کوئی بہانہ بنانے نہ لگ جائے ہاں وہ بیعت (سقیفہ میں) ہنگامی اور بغیر عام مشورہ کے ضرور ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے اس بے مشورہ بیعت و انتخاب کی ہولناکیوں سے امت کو محفوظ بھی رکھ لیا اس میں ابوبکرؓ کی فضیلتوں کو بھی دخل تھا اب تم میں

اس درجہ کا کوئی فرد ہے نہیں اسلئے ایسی بیعت اور ایسے انتخاب کا تو خیال بھی کوئی نہ کرے۔ اب اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کریگا کہ مسلمانوں کے عام مشورہ سے اس کا انتخاب ہوا ہو تو نہ اس کی تقلید درست ہوگی جس نے وہ بیعت کی ہوگی اور نہ اسکی تقلید درست ہوگی جسکی بیعت کیگئی ہوگی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دونوں ہی قتل کردیئے جائیں الخ (بخاری باب رجم الحبلی ص۱۰۰۹)

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر ایک تاریخی دستاویز ہے اسکی بھی کہ ابوبکرؓ پر (جیسا حضورؐ فرما گئے تھے) خدا بھی راضی ہوا اور مسلمان بھی راضی ہوئے یعنی کوئی اختلاف نہیں ہونے پایا اور اس کی بھی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کوئی خلافت (اور آگے چل کر بادشاہت بھی) ایسی عقلاً ناممکن تھی اور واقعتہً بھی ناممکن تھی کہ اس میں اختلاف نہ ہو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں چھ آدمیوں کی کیبنٹ بیٹھی امیدوار خلافت دو یا تین تھے تین دن کے بعد بمشکل سب کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے حضرت علی کی خلافت میں بہتوں نے اختلاف کیا۔

واقعہ (۲۸) حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت عام ہوچکی تو آپ نے حضورؐ کے جسم مبارک کی تجہیز کے انتظامات کی طرف توجہ فرمائی اس سلسلہ میں جیسا ص۳۲ پر گزر ا ذیل کے سات امور میں بعض صحابہؓ نے پہلے دریافت کیا کہ کیسے ہو کیونکر ہو پھر بعض اپنی اپنی رائے پیش بھی کردی۔ مگر چونکہ حسن اتفاق سے بلکہ مشیت حق سے ملت کا ایک سربراہ اور امیر چنا جاچکا تھا اسلئے ہر بحث نہایت سنجیدگی سے پیش کیگئی اور اس پر سنجیدگی ہی سے غور اور فیصلہ کیا گیا اسلئے جلد طے ہوگئی۔

پہلی بحث:۔ یہ تھی کہ حضورؐ کو غسل دیا جائے یا نہیں۔ لوگ اپنی اپنی رائیں دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی "ان کو غسل مت دو وہ تو خود ہی پاک صاف ہیں۔" لوگ اسکے کہنے والیکو تلاش کرنے لگے مگر کوئی معلوم نہ ہو سکا کہ اتنے میں دوسری طرف سے ایک اور آواز آئی کہ "تم حضورؐ کو ضرور غسل دو۔ پہلا کہنے والا شیطان تھا۔ میں خضر ہوں۔" (تواریخ حبیب الٰہ صـ ۱۶۹) اس خاص روایت میں ممکن ہے شرائط محدثین کے نقطۂ نظر سے کچھ ضعف ہو مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ بحث اٹھی تھی اور ابوبکرؓ نے غسل دینے کا حکم دیا تو حضورؐ کو غسل دیا گیا۔

دوسری بحث:۔ یہ اٹھی کہ غسل دینے کے لئے جسم مبارک سے حضورؐ کا ملبوس مبارک اتارا جائے یا نہیں ابھی لوگ رائیں دے ہی رہے تھے کہ یکایک سب حاضرین پر ایک اونگھ سی مسلط ہو گئی۔ سب کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سب کی ٹھڈیاں سینہ سے آلگیں اور ایک آواز آئی جسے سب نے سنا کہ "غسل کے لئے ملبوس مبارک اُتارا نہ جائے بلکہ اسی کے اوپر سے غسل دیا جائے۔"

(مشکوٰۃ باب الکرامات)

تیسری بحث:۔ یہ شروع ہوئی کہ اکثر مخلص انصار و مہاجرین کی خواہش تھی کہ "حضورؐ کی اس آخری خدمت یعنی غسل میں ہم بھی حصہ لے سکیں" اس پر وصی رسولؐ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے گھرانہ کے قریب تر رشتے دار غسل دیں (ہر قوم اور ہر ملک میں ہوتا بھی یہی ہے کہ قریبی رشتہ دار ہی غسل دیتے ہیں بجز دہمی اور بد عمل لوگوں کے) اسلئے اے علیؓ۔ عباسؓ۔ فضلؓ۔ قثمؓ بس تم لوگ حضورؐ کو غسل دو اور اے اسامہ اور شقران تم لوگ انکی مدد کرو چنانچہ انھیں چھ حضرات

نے حضورؐ کے جسد اطہر کو اس طرح غسل دیا کہ سب نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں
حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو اپنے سینہ کے سہارے اٹھائے رکھا حضرات عباسؓ اور
فضلؓ و قثمؓ نے دائیں بائیں کروٹ بدلوانے میں مدد دی اور اسامہؓ و شقرانؓ نے پانی
ڈالا۔ آپؐ چونکہ حیات میں غرس نامی کنویں کا پانی بہت پسند فرماتے تھے اس لئے
اسی کنویں کے پانی سے آپؐ کو غسل بھی دیا گیا۔ حضرت جعفر صادقؓ فرماتے ہیں "حضورؐ
کا غسل منگل کے آخری پہر سے پہلے شروع نہیں ہو سکا۔ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۲۷ عن ابی داؤد)
غسل کے بعد ایک تیز خوشبو محسوس ہونے لگی کہ ویسی خوشبو کسی نے نہ اس سے پہلے
کبھی سونگھی تھی اور نہ بعد میں کبھی سونگھی۔

چوتھی بحث:۔ یہ اٹھی کہ حضورؐ کو کفن کس کپڑے کا دیا جائے اور کتنے کپڑوں
کا دیا جائے؟ کچھ گفتگو کے بعد آخر بہ اتفاقِ رائے آپؐ کو یمن کے تین سفید
کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ قمیص۔ تہبند اور چادر۔ کفن پہنانے کے بعد جسم مبارک
سے بھیگا ہوا ملبوس مبارک نیچے سے نکال لیا گیا تاکہ کفن نہ بھیگے۔

پانچویں بحث:۔ یہ کی گئی کہ حضورؐ کی قبر کس شہر اور کس مقام پر ہو۔ بعض نے
رائے دی کہ مدینہ ہی میں ہو مگر منبر شریف کے پاس ہو۔ ایک نے کہا کہ مدینہ کے
قبرستان بقیع غرقد میں آپؐ دفن کئے جائیں بعض نے رائے دی کہ حضورؐ کو آپکے
وطن مکہ شریف میں دفن کرنا چاہیئے کسی نے بیت المقدس کی رائے دی۔ (خصائل
نبوی ص ۲۴۳) حضرت ابو بکرؓ نے بحیثیت امام المومنین فرمایا، میں نے سنا ہے کہ نبی کا
جہاں انتقال ہوتا ہے اسی جگہ وہ دفن ہوتا ہے۔ چنانچہ آپؐ کے حکم پر سب مطمئن
اور ساکن ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ ہی میں آپکی قبر شریف کا

کھودا جانا طے پایا۔

چھٹی بحث :۔ یہ پیدا ہوئی کہ حضورؐ کی نماز جنازہ کس جگہ اور کس طرح پڑھی جائے؟ بعض کا خیال ہوا کہ آپ کا جنازہ میدان میں لایا جائے مگر خلیفۃ الرسول امیر المومنین نے فرمایا: "میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے کہ کفنانے کے بعد میرا جنازہ قبر کے پاس رکھ کر کچھ دیر کے لئے سب اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ پہلے فرشتے مجھ پر نماز پڑھ لیں ان کے بعد پھر دو دو چار چار کر کے مرد حجرہ میں آ کر بلا جماعت مجھ پر نماز پڑھیں پھر عورتیں دو دو چار چار کر کے حجرہ میں آ کر مجھ پر نماز پڑھیں پھر بچے اسی طرح نماز پڑھیں چنانچہ اسی پر عمل ہوا اور اس میں کافی دیر لگی۔

ساتویں بحث :۔ یہ نکلی کہ قبر شریف لَحد (بغلی) بنے یا شَق (صندوقی) حضرت ابو بکرؓ نے اس کا بھی فیصلہ فرمایا کہ "مدینہ منورہ میں دو آدمی دو قسم کی قبریں کھودتے ہیں ہر ایک کے بلانے کو آدمی بھیجا جائے جو ملجائے وہ اپنی قسم کی قبر کھودے۔" یہ سنکر حضرت عمرؓ دعا فرمانے لگے کہ اے اللہ! آپ کو اپنے حبیبؐ کیلئے جس قسم کی قبر پسند ہو اسی قسم کی قبر کھودنے والا ملے، چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ ملے اور کچھ دیر کے بعد ملے۔ یہ اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی) کھودتے تھے انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں بستر کی جگہ لحد دار قبر کھودی اور نصف شب میں آپ کو قبر شریف میں اُتارا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حکم دیا کہ عباسؓ۔ علیؓ اور قثم (رضی اللہ عنہم) حضورؐ کو قبر شریف میں اُتاریں آپ کو دفن کر کے قبر شریف سے سب سے آخر میں قثم نکلے۔ پھر آپ کو مٹی دی گئی اور قبر برابر کی گئی۔

تشریح :۔ (۱) واقعہ ہٰ میں اگرچہ حضورؐ خود ہی اپنی تجہیز و تدفین سے متعلق تقریباً

تمام ہی امور میں ہدایات دے چکے تھے پھر بظاہر سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول کو یہ امور زیر بحث آنا نہ چاہئیں تھے مگر اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ واقعہ ۴ میں تمام صحابہؓ موجود نہ رہے ہوں گے پھر ممکن ہے کہ واقعہ ۴ کے صحابہؓ بھی واقعہ ۲۸ میں موجود نہ رہے ہوں۔ نیز ممکن ہے کہ واقعہ ۲۸ کے وقت واقعہ ۴ کے موجود صحابہؓ کو یہ اُمور یاد نہ آئے ہوں یا اگر یاد آئے بھی ہوں اسکے بعد بھی بعضوں نے یہ بحثیں نکالنا اور عام مشورہ سے طے کرلینا ہی مناسب سمجھا ہو۔

مزید دو ضروری واقعات

جو ممکن ہے چہار شنبہ ۱۴ ربیع الاول ہی کو یا رحلت نبوی سے قریب ہی زمانہ میں کسی روز واقع ہوئے

واقعہ (۲۹) :۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس (از خود یا حضرت علیؓ کے اشارہ سے) تشریف لائیں اور فدک و خیبر کی زمین میں سے اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ کرنے لگیں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہم جماعت ابنیا، دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑا کرتے۔ ہملوگ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔" (مطلب یہ کہ آپ کو

میراث نہیں مل سکتی) سیدنا عباسؓ بھی اپنے بھتیجے کے ورثہ میں سے اپنا حصۂ میراث لینے تشریف لائے۔ ابوبکرؓ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔ اسی سلسلہ میں سیدہ فاطمہؓ دوبارہ ابوبکرؓ کے پاس پھر تشریف لے گئیں اور دریافت فرمایا کہ "اے ابوبکرؓ! تمہارے بعد تمہارا وارث کون ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ "میری بیویاں اور میری اولاد" سیدہ فاطمہؓ نے پوچھا تو پھر میں اپنے والد کے متروکات کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیقؓ نے وہی جواب پھر دیا کہ حضورؐ نے کوئی ایسا ترکہ ہی نہیں چھوڑا جسمیں میراث تقسیم ہو سکے۔ اگر کچھ چھوڑا بھی ہے تو وہ صدقہ ہے اور اس کا مصرف وہ ہے جو حضورؐ اپنی حیات میں عمل میں لاتے رہے انشاءاللہ میں بھی اسی طرح عمل میں لاؤں گا۔ سرمو فرق نہ کروں گا (شمائل ترمذی ص۲۹) یہ سنکر وہ واپس تشریف لائیں اور ابوبکرؓ کی طرف سے کچھ اثر سیدہ فاطمہؓ کے دل میں رہا وہ مرتے دم تک پھر ابوبکرؓ سے نہیں بولیں۔ (بخاری میں ہے "فھجرتہٗ فاطمۃ فلم تکلمہٗ ص۹۹۶)

تشریح :- (۱) میراث نبوی کے بارہ میں دو ارشادات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

(الف) اُمّ المومنین سیدہ جویریہؓ کے بھائی عمروؓ کہتے ہیں کہ "حضورؐ نے رحلت کے وقت نہ دینار چھوڑے۔ نہ لونڈی غلام چھوڑے نہ اور کوئی چیز چھوڑی ہاں سفید مادہ خچر۔ ہتھیار اور بعض زمینیں چھوڑیں جسے صدقہ (وقف) کردیا تھا"۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۰ عن البخاری)

(ب) سیدنا ابوہریرہؓ نے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ "میرے وارثین دینار (و درہم وغیرہ) نہ بانٹ سکیں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں اس میں سے میری بیویوں کے نفقہ اور تحصیلدار کی تنخواہ کے بعد جو بچے وہ سب صدقہ (وقف) ہے"۔ (مشکوٰۃ

صہ۵ عن الشیخین) (۲) حضورؐ نے دینار و درہم تو چھوڑے ہی نہیں اور واقعہ نمبر ۱ کو دیکھتے ہوئے چھوڑ سکتے بھی نہیں تھے) ہاں ذیل کی دس اشیا آپکی متروکات تھیں۔ تین زمینیں (بنو نضیر کی جائداد فدک کے باغات۔ خیبر کی زمینیں) کچھ جانور (لحیف نام کا گھوڑا۔ عفیر نام کا گدھا۔ عضبا یا قصوا نام کی اونٹنی۔ تیہ نام کا خچر جس کا دوسرا نام دُلدُل بھی تھا) کچھ ہتھیار (نو تلواریں سات زرہیں۔ چھ کمانیں۔ پانچ نیزے۔ تین جُبّے جنگ کیلئے۔ دو خود۔ ایک ڈھال۔ ایک علم) کچھ ملبوس۔ انگوٹھی۔ عصا۔ نو یا دس حجرے ازواج کے لئے ایک مشربہ (بالاخانہ) بستر (چٹائی اور چمڑے کا تکیہ) چند کھالیں۔ (۳) تینوں زمینوں کی آمدنی حضورؐ اپنی حیات میں اس طرح صرف فرماتے تھے۔

(الف) بنو نضیر والی جائداد کی آمدنی، اپنی ذات یا عام مسلمانوں کی "ناگہانی ضروریات کیلئے۔ (ب) فدک کی آمدنی "مسافروں کی امداد" کیلئے اور (ج) خیبر کی آمدنی کا ۲/۵ ازواجِ رسولؐ کے نفقہ اور کارندہ یا تحصیلدار کی تنخواہ کے لئے اور ۱/۵ پبلک کی ضرورتوں کیلئے (سیرۃ النبی شبلی اول ج دوم صہ۱۹۳)۔

(۴) نو یا دس کوٹھریاں بنتے وقت تو یقیناً حضورؐ کی ملک تھیں مگر بن چکنے کے بعد حضورؐ نے وہ کوٹھریاں سکنے میں اپنی ازواج کو الگ الگ ہبہ کردیں اسی وجہ سے قرآن میں خدا نے بیوتکنَّ فرما کر ان کی نسبت ازواج کی طرف اور بیوت النبی فرما کر ان کی نسبت حضورؐ کی طرف کی۔ حدیثوں میں بھی بیت ام سلمہؓ۔ بیت عائشہؓ۔ بیت میمونہؓ کے الفاظ سے ان حجروں کی نسبت ازواجِ رسول کی طرف کی گئی ہے اور بعض جگہ خود حضورؐ نے کی ہے اسطرح ازواجِ

رسولؐ اپنی اپنی زندگیوں میں ان کی مالک تھیں اور عمر بھر ان پر قابض رہیں اور
ان کے انتقال کے بعد پھر وہ ان کے شرعی وارثوں کی ملکیت ہو جاتی تھیں
چنانچہ چند حجروں کو سیدنا معاویہؓ نے خرید ا تھا۔ (سیرۃ النبی حصہ اول جلد دوم صفحہ ۱۹۳
بحوالہ صحیح مسلم) (۵) پس جب متروکات میں دینار و درہم تھے ہی نہیں اور
حجرات ملکیت تھے ازواج کے اسلئے قابل تقسیم چیز صرف ان تینوں زمینوں کی
آمدنیاں تھیں اگر ان کی تقسیم وارثوں میں جائز ہوتی تو تقسیم اس تناسب سے ہوتی کہ
۱/۸ تمام ازواج کیلئے اور ۴/۸ سیدہ فاطمہؓ کو اور ۳/۸ سیدنا عباسؓ کو (۶) مگر
ان کی تقسیم میں صحابہؓ میں رائے کا اختلاف تھا کیونکہ حضورؐ کے مذکورہ ارشاد کے دو
مطلب بن سکتے تھے ایک یہ کہ "میرے ترکہ میں درہم و دینار تقسیم نہ ہوں گے یعنی
جو کچھ (درہم و دینار بالفرض) میں چھوڑ بھی جاؤں تو وہ مال وقف علی المسلمین ہے"
اور دوسرا یہ کہ "میرے ترکہ میں درہم و دینار تقسیم نہ ہوں گے اور جو کچھ (درہم
زمین۔ ہتھیار۔ لباس وغیرہ) میں چھوڑوں تو وہ سب وقف علی المسلمین ہے"۔ حضرات
سیدنا عباسؓ۔ سیدہ فاطمہؓ۔ سیدنا علیؓ اور بعض ازواجؓ مطہرات نے پہلا مطلب
سمجھا کہ درہم و دینار تو وقف ہیں مگر زمینیں وقف نہیں تو وہ صرف دینار و درہم
متروکہ کو تو وقف اور ناقابل تقسیم سمجھتے تھے مگر بقیہ اشیاء کو وقف نہیں سمجھتے
تھے اور اسی کی تقسیم کا مطالبہ بھی کرتے تھے لیکن حضرات سیدنا ابوبکرؓ۔ عمرؓ
اور سیدہ عائشہؓ نے دوسرا مطلب سمجھا تھا تو وہ ہر متروکہ چیز خواہ درہم
و دینار خواہ زمینیں سب کو وقف علی المسلمین اور ناقابل تقسیم سمجھتے تھے
چنانچہ چند ازواجؓ مطہرات نے بھی حضرت سیدنا عثمانؓ کو واسطہ بنا کر اپنے

اپنے حصہ کی میراث کے مطالبہ کیلئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجنا چاہا تھا مگر سیدہ عائشہؓ نے ارشادِ نبوی کا صحیح مطلب سمجھا کر انھیں مطالبہ سے روک دیا۔ (بخاری ص۹۹۶) ⑦ دشمنانِ صحابہؓ نے ان زمینوں کے ترکہ کا قصہ اور ابوبکرؓ کا حصہ نہ دینا کچھ اس طرح آجتک اچھال رکھا ہے کہ بہتیرے اہلسنت (علماء وعوام دونوں) حضرت ابوبکرؓ کو ظالم اور غاصب سمجھ رہے ہیں حالانکہ اس کا صحیح قصہ یہ ہے کہ (فدک وخیبر) کی ان زمینوں کی آمدنیوں کو جس طرح جس جس مد میں حضورؐ خود کام میں لاتے اور صرف فرماتے تھے ٹھیک انھیں مدوں میں اسی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی کام میں لاتے تھے۔ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے اجتہاد میں چونکہ اس میں تقسیم ہونی چاہیئے تھی اسلئے حضرت فاطمہؓ کے دو بار مطالبہ کے بعد خود سیدنا علیؓ نے بھی حضرت فاطمہؓ کے حصہ کا اور سیدنا عباسؓ نے اپنے حصہ کا مطالبہ ابوبکرؓ سے کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنا نقطۂ نظر بتا کر حصہ دینے سے انکار فرمایا۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ و عباسؓ نے سوچا کہ شاید حضرت عمرؓ کے اجتہاد میں فدک وغیرہ کی زمینیں میراث میں تقسیم ہوسکیں لاؤ ان کے سامنے بھی طلبِ میراث کرلیں مگر حضرت عمرؓ نے بھی ان زمینوں کو وقف اور ناقابلِ تقسیم سمجھا اس لئے انھوں نے بھی میراث دینے سے انکار کردیا۔ یہاں یہ بات پھر خوب سمجھ لینی چاہیئے کہ ان دونوں بزرگوں کا یہ بار بار کا مطالبۂ میراث خدانخواستہ "طمعِ مال و حُبِّ دنیا" کی بناء پر نہ تھا بلکہ ان کے اجتہاد میں یہ تھا کہ ان زمینوں کی آمدنیاں میراث میں تقسیم ہوسکتی ہیں اسلئے دیانتداری سے یہ اُسے حقِ شرعی سمجھ کر مطالبہ کرتے

تھے اور چاہتے تھے کہ تقسیم پر جو (ان کے اجتہاد میں) شرعی حکم تھا خلیفہ عملدرآمد کریں (یعنی اگر بالفرض یہی حضرات خود پہلے خلیفۂ رسول ہو سکتے تو یقیناً یہ ان زمینوں کو میراث میں تقسیم کرتے اور اس پر ان سے خدا کے یہاں مواخذہ نہ ہوتا) حضرت عمر نے دو برس تک تو ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا اور اس میں سے ٹھیک انھیں مدوں میں خرچ فرماتے جنہیں خود حضور اور ابو بکرؓ خرچ کرتے رہے تھے لیکن دو برس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کا انتظام خود کرنیکے بجائے حضرات عباسؓ و علیؓ ہی کو ان کا متولی بنا دیا اور ان کو بتا دیا کہ ان کی آمدنیوں کا خرچ دستور نبوی ہی کی مطابق کرتے رہیئے۔ مگر دونوں کے مزاجوں میں فرق تھا۔ حضرت عباسؓ و منتظم و کفایت شعار تھے اور حضرت علیؓ زر اخراج اور سخی تھے حضرت عباسؓ چاہتے تھے کہ ہر ہر مد میں کچھ رقم پس انداز بھی رہا کرے مگر حضرت علیؓ پس انداز کرنے کے خلاف تھے اس کی ساری آمدنی کو مختلف مدات میں خرچ کر ڈالتے تھے اسوجہ سے دونوں میں کبھی کبھی جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرات لڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس آئے کہ ہم دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اس طرح کر دیجئے کہ زیرِ تولیت زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کی تولیت دونوں کو الگ الگ دیدیجئے۔ حضرت عمرؓ کی نظر اس تجویز کے آئندہ نتائج پر پہونچی اور آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور ان سے صاف کہدیا کہ اگر آپ دونوں سے اس کا انتظام نہ ہو سکتا ہو تو مجھے واپس دیدیجئے میں اب بھی اسی طرح انتظام کر لوں گا جس طرح اپنی خلافت کے پہلے دو سال میں کرتا رہا یعنی حضرت عمرؓ نے سوچا کہ آج تو میں تولیت میں سہولت کے

لئے اسکو دو حصّوں میں تقسیم کر دوں مگر چونکہ اتفاق سے میراث میں بھی تقسیم انکے شرعی حصہ کی اسی طرح ہوتی کہ نصف حضرت عباسؓ کو اور نصف سیدہ فاطمہؓ کو (جسکا انتظام حضرت علیؓ ہی کرتے) تو کچھ دنوں بعد یہی سمجھا جانے لگے گا کہ حضرت عمرؓ ہی نے ان دونوں میں حصہ شرعی کے مطابق اسے تقسیم کیا ہے۔ اور میراث کے اصول پر تقسیم کیا ہے۔ اس لئے ایک دو پشت کے بعد تولیت ختم ہو کر وہ سیدھے سیدھے "ملکیت" بن جائیگی آخر دوسرے صحابہ نے دونوں کو سمجھا بجھا کر راضی کیا کہ آئندہ جھگڑا نہ کریں اور وہ زمینیں انھیں دونوں کی تولیت میں رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں کہیں جا کر حضرات عباسؓ و علی رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے اپنے اس اجتہاد سے رجوع کر لیا کہ "ان زمینوں میں ترکہ تقسیم ہونا چاہیے"۔

[یہ سیدنا عمرؓ کا حسنِ تربیت تھا کہ ان زمینوں کا انتظام انھیں دونوں سے کرا کر ایک طرف انکو اس کام کی (جو آئندہ چلکر اپنی خلافت میں حضرت علیؓ کو کرنا پڑتا) ٹرننگ دیدی دوسری طرف انھیں سے کام لیکر انکی فہم کھولدی اور ایسی بصیرت پیدا کر دی کہ ان کو انکا وقف ہونا متیقن ہو گیا]

بہر حال عہدِ عثمانی میں حضرت عباسؓ نے تولیت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی تو سیدنا عثمانؓ نے وہ کل زمینیں تنہا سیدنا علیؓ کے انتظام میں کر دیں چنانچہ سیدنا علیؓ کے عہدِ خلافت تک وہ تنہا انھیں کے زیرِ تولیت رہیں۔

پھر سیدنا حسنؓ و سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں انکا انتظام سیدنا حسنؓ بطورِ متولی کے کرتے رہے۔ پھر سیدنا حسینؓ کے زیرِ انتظام رہیں۔ اور عہد

اور عہد یزید تک رہیں۔ پھر سیدنا حسینؓ کے بعد سیدنا علیؓ (زین العابدین) کے زیر انتظام رہیں۔ (خصائل نبوی ص۲۵۵۔ بہ تغیر یسیر) پھر یزید کے بعد ملوک بنی امیہ کے زمانوں میں یہ انتظام درہم برہم ہو گیا۔ انھوں نے اس وقت کی آمدنی عام شاہی خزانہ میں داخل کر دی اور شاہی خزانہ ان بادشاہوں کا ذاتی خزانہ بنکر رہ گیا۔ ⑧ دشمنان صحابہؓ نے حدیث بخاری کے ان الفاظ — (حضرت ابو بکرؓ کی باتوں سے سیدہ فاطمہؓ کے دل پر "کچھ" اثر ہوا اور وہ مرتے دم تک ابو بکرؓ سے نہیں بولیں) کا مطلب یہ نکالا اور اُسے خوب خوب پھیلایا کہ "سیدہ زہراؓ بتول خفگی و ناراضی کیوجہ سے" ابو بکرؓ سے نہیں بولیں"۔ اب کم علم اور کج فہم سُنّی بھی یہی مطلب سمجھتے چلے آتے ہیں اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو خود سیدنا ابو بکرؓ کی طرف سے وہ کچھ کدورت[1] بھی اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ اِنّا للہ! حالانکہ اسکا صحیح مطلب عالموں نے یہ لکھا ہے :—

(الف) سیدہ فاطمہؓ نے صدیق اکبرؓ جیسے سچے شخص سے ارشاد نبوی اور مسئلہ شرعی سنکر "کچھ اثر" شرمندگی کا اور اپنی لاعلمی پر افسوس کا لیا اور آخری لمحاتِ حیات تک پھر "اس مسئلہ" میں ابو بکرؓ سے کچھ نہیں بولیں۔ گو ابو بکرؓ کے انکار سے سیدہ فاطمہؓ نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا۔

---

[1] ڈپٹی نذیر احمد دہلوی شمس العلمائی کے باوجود لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ اگر اپنے محترم رسولؐ کی چہیتی بیٹی کا حق مان لیتے اور میراث دیدیتے تو اسمیں انکا حرج ہی کیا تھا؟ انشا اکبر رح جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے گویا ابو بکرؓ کا دین اور عقل نذیر احمد کے دین و عقل سے کم تھا!

جس طرح حضرت علیؓ نے عہد عثمانی سے قبل رجوع نہیں کیا تھا۔

(ب) سیدہ فاطمہؓ چونکہ بہت باحیا تھیں اسلئے ابوبکرؓ کے دربار خلافت میں ایک دو بار تو ضرورۃً گئیں لیکن بار بار نامحرم کے پاس مقدمہ لیجانے میں ان کے قلب پر کچھ" اثر گرانی کا ہونے لگا۔ (ج) احقر ان علماء کی ہی برکت سے ان جوابوں میں اتنا اور اضافہ کرتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ ایک یا دو بار تو طلب میراث میں ابوبکرؓ کے پاس گئیں مگر جب انھوں نے دیکھا کہ والدؐ محترم کی وارثت ایک میں ہی اکیلی تو نہیں ازواجؓ مطہرات امہات المومنین بھی تو شرعی وارث ہیں انھوں نے تو ایک بار بھی طلب میراث میں زبان نہ کھولی تو اس صورت میں میرا یہ ایک یا دو بار جانا بھی قناعت وصبر کے خلاف اور حرص و طمع کا موہم ہے۔ نیز افسوس ہے کہ مجھے یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ اسلئے ان کے نازک قلب پر ابوبکرؓ کا جواب ہی سننے کے بعد اثر خجالت کا پڑا کہ ان کے سامنے کیسے جائیں۔

غرض سیدہ فاطمہؓ کا ابوبکر سے مرتے دم تک پھر کچھ نہ کہنا دراصل تھا تو ان کی طبعی حیا۔ جبلی قناعت۔ اتفاقی خجالت اور فطری غیرت کی بنا پر، مگر دشمنان صحابہؓ کہتے ہیں کہ جی نہیں وہ ابوبکرؓ سے ناراض ہوگئیں شاید دشمنانِ عقل کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اگر ان کا مطلب مان لیا جائے تو پھر یہ باتیں بھی ضمناً ماننی پڑیں گی۔

(الف) سیدہ فاطمہؓ مال کی حریص اور صبر سے بے بہرہ تھیں، کہ ابوبکرؓ نے اگر جھوٹی حدیث بتا کر اپنی عاقبت خراب کر لی تھی تو یہ اسے خدا کے حوالے

کر کے صبر و تشکر سے نہیں رہ سکتی تھیں۔

(ب) فاطمہؓ اتنی خود غرض اور بے انصاف تھیں کہ ابو بکرؓ نے اگر ازواج رسولؐ کو شرعی میراث سے محروم کیا تب تو گویا ٹھیک کیا اس پر ناخوش نہیں ہوئیں لیکن جب خود فاطمہؓ کو میراث شرعی نہ دی تو یہ بڑا جرم کیا اس پر وہ ناخوش ہو گئیں۔

(ج) ابو بکرؓ اپنے محترم نبیؐ کی محبت محض ریاکاری سے کرتے تھے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادیؓ کو ان کا جائز حق نہ دیا

(د) تمام صحابہؓ رسولؐ (نعوذ باللہ) بھی ابو بکرؓ کے ساتھ سازش کر کے بنت رسولؐ کو جائز حق سے محروم کرنے میں شریک رہے اور کسی ایک نے بھی محبت رسولؐ کا پاس نہ کیا کہ ابو بکرؓ کے خلاف زبان کھولتا اور اس ناانصافی پر ابو بکرؓ سے لڑ جاتا۔

(ہ) سیدہ فاطمہؓ کو عفو و درگزر کے خلق عالی سے بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ بلکہ وہ کینہ پرور تھیں کہ مرتے دم تک دل میں غصہ پالتی رہیں مگر معاف کر کے یا خدا کے حوالہ کر کے دل کو صاف نہیں کر لیا۔ حالانکہ ان کے ادنیٰ خادم تک دل صاف کر لیتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من سوء الظن بابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیہا وسلم۔

احقر کہتا ہے کہ اگر فاطمہؓ حضرات علیؓ و عباسؓ کی طرح بار بار بھی میراث پدر کا تقاضا کرتیں تب بھی ہم یہی تسلیم کرتے کہ وہ فاطمہؓ کا ایک اجتہاد تھا مگر یہ تو کبھی تسلیم ہی نہیں کر سکتے تھے کہ سیدہ فاطمہؓ جیسی باحیا۔ قانع۔ مومنہ کاملہ اور ابو بکرؓ جیسے سچے مومن کامل اور افضل صحابہ شخص سے ارشاد رسولؐ سنیں اور پھر بھی فدک وغیرہ

کی آمدنی جیسی حطام دنیوی کے نہ ملنے پر دلی صدمہ اور قلبی غصہ لیکر دنیا سے جائیں۔ یہ سب خیالات ور اصل دشمنانِ صحابہ کے ہیں انھیں کو پسند ہیں تو انھیں کو مبارک بھی رہیں۔ خدا سنیوں کو ان خیالات سے محفوظ رکھے۔

واقعہ (۳۰): ۱۔ حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اس دن تو مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن (معلوم ہوتی) تھی، اور جس دن حضورؐ کی وفات ہوئی ہے اسی دن مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔ ہم لوگ حضورؐ کی وفات کے بعد مٹی سے ہاتھ جھاڑ نے بھی نہیں پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبی عن الترمذی)

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے انتقال پر بہت سے صحابہ غمگین ہوئے اور بعضوں کو تو (نعوذ باللہ دین کے مٹنے تک کا) وسوسہ آنے لگا، میں بھی انھیں میں سے تھا۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ عمر رضؓ نے آکر شاید مجھے سلام کیا۔ مگر مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ عمر رضؓ نے ابوبکر رضؓ سے جاکر شکایت کی اور پھر دونوں نے آکر مجھے سلام کیا۔ ابوبکر رضؓ نے کہا تم نے اپنے بھائی عمر رضؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا، میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ تو عمر رضؓ بولے، واہ بخدا تم نے ابھی ایسا کیا ہے۔ میں نے کہا بخدا مجھے خبر تک نہیں کہ تم کب گزرے اور کب تم نے سلام کیا۔ اس پر ابوبکر رضؓ نے کہا، عثمان رضؓ سچ کہہ رہے ہیں وہ کسی بڑے اہم خیال میں غرق تھے۔ میں نے کہا ہاں۔ ابوبکر رضؓ نے مجھ سے پوچھا آج کس خیال میں غرق تھے؟ میں نے کہا اللہ نے اپنے نبیؐ کو وفات دیدی قبل اس کے

کہ ہم آپ سے اس امرِ وسوسہ سے نجات کی صورت دریافت کر سکتے"۔ ابوبکرؓ بولے میں نے حضورؐ سے یہ بات پوچھ لی ہے" میں نے جو ان سے یہ سنا تو میں ان کی طرف لپکا اور میں نے کہا "میرے ماں باپ تم پر قربان" تم ہی دراصل اس کے لئے موزوں تھے کہ اسے حضورؐ سے پوچھتے۔ ابوبکرؓ نے کہا میں نے پوچھا تھا کہ "یارسول اللہ! وسوسہ سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص مجھ سے یہی کلمہ طیبہ لے لے جسے میں نے اپنے چچا ابوطالب پر پیش کیا اور انھوں نے اسے نہیں قبول کیا۔ تو یہی کلمہ وسوسے سے بھی نجات کا ذریعہ ہے"۔

(مشکوٰۃ صـ۱۶ کتاب الایمان)

تشریح:۔ (۱) شیخ مربّی کے سر سے اٹھ جانے پر مریدین کے قلوب کی کیفیات اور واردات میں تغیّر اور کمی آنا لازم اور فطری امر ہے۔ یہی کیفیت حدیث اول میں حضرت انسؓ کی اور حدیث دوم میں حضرت عثمانؓ کو پیش آئی ایسے وقت میں لازم ہے کہ کسی دوسرے شیخ کامل سے ورنہ اپنے ہی کسی کامل پیر بھائی سے رجوع کرے۔ (۲) حضرت عثمانؓ نے جب اپنی مشکل حضرت ابوبکرؓ سے بتائی اور انھیں محسوس ہو گیا کہ ابوبکرؓ ہی کے پاس دردِ دل کی دوا ہے تو پھر وہ انتہائی عشق و عقیدت سے وہی کلمہ بے اختیارانہ اپنے پیر بھائی کو بھی کہہ اٹھے جو اپنے سابق مربّی باطنی اور شیخ روحانی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کرتے تھے یعنی "بابی انت وامّی"، میرے ماں باپ تم پر سے قربان! یہ کلمہ ظاہر کرتا ہے کہ ابوبکرؓ کی تعلیم سے روحانی اور قلبی سکون پاکر کس طرح والہانہ فریفتگی کے ساتھ وہ ابوبکرؓ کو اپنا روحانی مربّی

ماننے لگے تھے۔ اس عہد میں بیعت خلافت دراصل بیعت توبہ بیعت تربیت واصلاح وغیرہ تینوں
قسموں کی بیعتوں کو شامل ہوتی تھی بیعت توبہ واصلاح الگ سے نہیں ہوتی تھی (۱۴) عام شہرت
تو یہ ہے کہ "تصوف کے تمام سلاسل سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتے ہیں" مگر یہ خیال
ناواقفیت پر مبنی ہے بلکہ امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال سبائیہ
کی وسوسہ اندازی ہے۔ شیعی عالم شیخ حلی ابن مُطہر نے لکھا تھا طریقت کا علم انھیں (حضرت علیؓ)
کیطرف منسوب ہے کیونکہ صوفیہ خرقہ کی نسبت انھیں کیطرف کرتے ہیں" اسکے جواب میں امام ابن تیمیہؒ
نے لکھا ہے "خرقہ دو ہیں ایک حضرت عمرؓ کا جسکی سند حضرت اویسؓ قرنی اور ابو مسلم خولانی تک
پہونچتی ہے' دوسرا حضرت علیؓ کا جسکی سند حسنؓ بصری اور معروف کرخیؒ تک پہونچنے کے بعد منقطع
ہو جاتی ہے۔۔۔ [اسکے بعد ایک طویل بحث کے ختم پر ہے کہ]۔۔۔ ہمکو خوب اچھی معلوم ہے
کہ صحابہؓ اپنے مرید کو خرقہ نہیں پہناتے تھے اور نہ انکے بال کترتے تھے اور نہ ایسا کسی تابعی نے
کیا بلکہ (تابعی مرید) لوگ صحابہؓ کی مجلس میں برابر بیٹھتے تھے اور انھیں کے طریقے اور آداب
سیکھتے رہتے تھے۔ ہر جماعت اپنے اپنے شہروں میں رہنے والے صحابہؓ سے اخذ فیض کرتی
تھی چنانچہ اہل مدینہ نے حضرات سیدنا عمرؓ۔ ابیؓ۔ زید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اخذ فیض
کیا اور جب سیدنا علیؓ کوفہ تشریف لے گئے تو اسوقت تک وہاں کے لوگ حضرات سیدنا ابن
مسعود۔ سعد۔ عمار۔ حذیفہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اپنے دین (حقیقی) میں ماہر و کامل
ہو چکے تھے اور اہل بصرہ نے حضرات سیدنا عمران بن حصین۔ ابو موسیٰ۔ ابو بکرہ۔ ابن مغفل
اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے طریق باطنی اخذ کیا اور شام والوں نے اپنا
دین (حقیقی اور طریق باطنی) حضرات سیدنا معاذ۔ ابو عبیدہ۔ ابو الدرداء۔ عبادہ بن صامت
بلال رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا پھر تو کیسے کہتا ہے کہ اہل زہد و تصوف کا طریقہ حضرت علیؓ ہی

سے ملتا ہے اور کسی سے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔" (ملخصاً منتقی مصری ص ۵۰۵ و ۵۰۶) یہ تحقیق تو ابن تیمیہ کی تھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ تمام سلاسل حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جا کر ملتے ہیں اور پھر آپ ہی کے توسط سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں اور اس تحقیق کو شاہ صاحب نے کئی جگہ پورے زور اور پورے تیقن سے بیان کیا ہے ہم ذیل میں انکی چند عبارتیں نقل کرتے ہیں جنسے نظریۂ بالا متحقق ہوتا ہے۔

(الف) ۔ ۔ ۔ "حضرت صدیق رضی آنحضرت کے خلیفۂ مطلق ونائب برحق تھے ظاہر و باطن میں طریقہ ذکر تعلیم فرمایا ۔ ۔ ۔ اور یہ پہلا واقعہ احیاء طریقہ صوفیاء کرام کا ہے جو خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ وارضاہ سے ظہور میں آیا۔ اسکے بعد حضرت علی رضی نے حضرت صدیق سے صلوٰۃ استغفار اخذ کی اور اوراسپر اعتناء تام فرمایا (ترجمہ ازالۃ الخفا مقصد دوم مطبوعہ پاکستان ص۵۵)

(ب) "مثالاً ہم عرض کرتے ہیں کہ اہل شام و اہل مصر حضرت علی رضی مرتضیٰ سے روابط نہیں رکھتے باوجود اسکے زہدیات اور علم سلوک انمیں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان علوم کی تبلیغ حضرت علی مرتضیٰ سے پہلے کسی اور نے کی ہے۔ فتامل" (ایضاً ص۱۹)

(ج) اسی ازالۃ الخفا مقصد دوم ص۲۴۳ پر شاہ صاحب نے سیدنا فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سلسلۂ روحانی کا نکلنا بتایا ہے وہ یہ ہے "سیدنا عمر رض۔ سیدنا عبداللہ رض ابن مسعود علقمہ رض بن قیس۔ ابراہیم نخعی رض۔ سفیان ثوری رض۔ ابراہیم بن ادہم بلخی تا بہ بعد"۔

(د) "اور حضرت جعفر صادق رض نے باوجود اپنے آباء کرام کے وراثتی انوار کے اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم سے سلوک حاصل کیا وہ (مدینہ کے تابعین میں ہیں۔ سات ممتاز فقہا میں سے ہیں، علم ظاہر و باطن میں کامل تر لوگوں میں ہیں انکو نسبت حاصل ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ باوجود

شرف صحبت رسولؐ پانے کے طریق کو حضرت صدیقؓ سے حاصل کیا اور حضرت صدیقؓ نے حضورؐ سے حاصل کیا۔ انتہی (ترجمہ الانتباہ ص ۳۵)

(۸) ... "معروف کرخیؒ بہت سے شیوخ کی صحبت میں رہے ان میں دو بہت بزرگ ہیں۔ ایک علی امامؑ رضاؒ ہیں وہ صحبت میں رہے اپنے والد حضرت موسیٰ کی اور وہ اپنے والد حضرت جعفر صادقؒ کی اور وہ اپنے والد حضرت محمد باقرؒ اور وہ اپنے والد حضرت زین العابدینؒ کی اور وہ اپنے والد حضرت سیدنا حسینؓ کی اور وہ اپنے والد حضرت علیؓ کی اور وہ حضرت سیدنا و مولانا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور دوسرے حضرت داؤد طائیؒ ہیں وہ صحبت میں رہے حضرت حبیب عجمیؒ کی اور وہ حضرت حسن بصریؒ کی اور حسنؒ بصری بہت سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے جنمیں ایک حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ تھے جو آنحضرت کے خادم اور آپ کی سنت کے حافظ تھے" انتہی (انتباہ ۱۲ص)

(۹) حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب (والد شاہ ولی اللہ صاحب محدث) اپنی کتاب ارشاد رحیمیہ میں لکھتے ہیں "حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے رسالہ قدسیہ میں لکھا ہے کہ محققین صوفیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ نے حضور کے بعد ان خلفاء سے جو حضرت علیؓ سے قبل گزر چکے تھے نسبت باطنی کی تربیت پائی ہے" انتہی (ص۶)

ان عبارات سے حسب ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ (خلیفۂ اول ہونیکے ساتھ ساتھ) سلوک میں بھی حضورؐ کے نائب مطلق

لہ شاہ صاحبؒ سے یہ امر عجیب ہے کہ حضورؐ کی ذریت طاہرہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ لفظ امام برابر لکھا ہے حالانکہ شروع کتاب میں ص۸ پر یہ لکھا ہے "مذہب ایں جماعت باطل است و بطلان مذہب ایشاں از تامل در تعریف امام کہ ایشاں مقرر کردہ اند ظاہر خواہد شد" یہ قوی قرینہ ہے کہ یہ لفظ مطبع والوں نے اضافہ کر دیا ہے اسلئے کہ مطابع کے کاتب اکثر روافض ہوتے ہیں انکو ایسا تصرف کر دینا بہت آسان ہے۔ اکثر کتابوں میں تحریف و تصحیف کی اصل وجہ یہی ہے۔

تھے صوفیاء کرام کا طریقہ انھیں سے چلا ہے حضرت علیؓ نے ان سے نماز استغفار (غالباً نماز توبہ جو سلوک میں اہم چیز ہے) سیکھی ہے (۲) حضرت علیؓ سے قبل بھی صحابہؓ سے (خصوصاً خلفائے ثلاثہؓ سے) زہد و سلوک کی تبلیغ و اشاعت ہوئی ہے جسکا اثر مصر و شام میں پایا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر خلفائے ثلاثہ کے سلاسل ہندوستان کے باہر کے بعض ممالک میں چلے (ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں اوپر مفصل آچکا ہے) (۳) عبارت ثالثہ میں ایک سلسلہ کا سیدنا عمرؓ سے اور عبارت رابعہ میں ایک کا سیدنا سلمان سے اور عبارت خامسہ میں ایک کا سیدنا انسؓ سے چلنا معلوم ہوتا ہے (۴) سیدنا علیؓ نے اپنے سے قبل کے تینوں ہی خلفاء سے یکے بعد دیگرے روحانی فیوض حاصل کئے (عبارت سادسہ دیکھئے)

ان عبارتوں پر غور کرنے سے اس شہرت عام کا (کہ تمام سلاسل سیدنا علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں) صاف مطلب سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے چلنے والے سلسلے بھی حضرت علیؓ کی وساطت سے نیچے تابعین تک آسکے اور تبع تابعین و تابعین کا عنعنہ جو اوپر خلفائے ثلاثہ تک اور انکے اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے وہ بھی حضرت علیؓ ہی کے توسط سے پہونچ سکتا ہے۔ پس اگر دوسرے صحابہؓ سے براہ راست بھی کوئی سلسلہ حضورؐ تک پہونچا ہو تو گو ناممکن اور غلط وہ بھی نہیں ہے مگر اول تو ایسے سلاسل کی تعداد زیادہ نہ ہوگی دوسرے وہ سلسلے بھلا اس سلسلۃ الذہب (کہ بالفاظ صوفیہ الحسنؒ البصری صحب علیاًؓ صحب عثمانؓ صحب عمرؓ صحب ابا بکر الصدیقؓ صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بالفاظ محدثین عن الحسنؒ البصری عن علیؓ عن عثمانؓ عن عمرؓ عن ابی بکرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں اس لئے وہ سب ہی نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں اور یہی کہنا صحیح ہے کہ تمام سلاسل حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے اور انھیں

کے توسط سے اوپر یا نیچے چلتے ہیں۔

نکتہ علمی:۔ جن لوگوں نے اپنی حدیث باطنی (سلوک و تصوف) کی سند کسی دوسرے صحابی تک پہونچانے کے بعد درمیان سے خلفاء ثلاثہ کے وسائط حذف کر کے یکایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیا ہے تو گو صحیح وہ بھی ہے اور ایک علمی مسلم قاعدے ماتحت ہی ہے جسکا نام محدثین کے یہاں "سند کا عالی بنانا" ہے۔ مگر خوب یاد رہے کہ اسکی اصل صورت بھی وہی ہے کہ کل واسطے تسلیم ضرور کئے جائیں۔ محدثین نے تحویلات روایت کا قاعدہ نکالا ہی اسی لئے ہے ایسے موقعوں پر محض سند عالی کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ قلیل الوسائط اور کثیر الوسائط دونوں ہی طرق کا ذکر کرنا برابر ضروری سمجھا ہے پس گو سند کو عالی بنانے کی ضرورت سے بعض وسائط کا حذف جائز ہو مگر علمی، تاریخی، تحقیقی ضرورتوں سے لازم ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے اسماء مبارکہ کو بھی شجروں میں شامل ضرور کیا جائے۔

خیر یہ گفتگو تو علمی اور تحقیقی تھی مگر میں ذوق و وجدان کی حیثیت سے بھی اور نفسیاتی حیثیت سے بھی اہل انصاف سے ذرا دریافت کیا چاہتا ہوں کہ اگر انکے سامنے یہ دو سندیں ہوں (اول الحسن البصریؒ عن علیؓ عن النبیؐ اور دوم الحسن البصریؒ عن علیؓ عن عثمانؓ عن عمرؓ عن ابی بکرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو کونسا سلسلہ انکو زیادہ پرزور، زیادہ پرتاثیر زیادہ پرایمان محسوس ہوتا ہے؟ اب اسکا فیصلہ انھیں کے ذوق پر چھوڑتا ہوں میں صحیح تو دونوں کو سمجھتا ہوں مگر مجھے چونکہ دوسرا طریق (جسمیں خلفائے اربعہ کے اسماء مبارکہ ہیں اور جو اصل سلسلۃ الذہب کہے جانے کا مستحق ہے) زیادہ پسند ہے اس لئے میں نے تو اپنے پاس کے شجرہ میں آخر میں یہ دو شعر یوں اضافہ کر لئے ہیں۔

شیخ فضیلؒ و عبد واحدؒ، شہ حسنؒ حضرت علیؓ
شاہ عثمانؓ و عمرؓ ابو بکرؓ راس المتقیں

صل یارب علیہ و علیہم اجمعین
ھب لنا برکات نسبتہم الی فخر الرسل

سلاسل اولیاء کا آغاز ۱۳ھ ہی میں ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ سے دو سلسلے چلے (الف) ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسن بصریؒ عبدالواحد۔ (دیکھو عبارت سادسہ) (ب) ابوبکرؓ۔ سلمان (وفات ۳۵ھ) فقیہہ قاسم بن محمد (ولادت[1] ۲۳ھ) جعفر صادق رضی اللہ عنہم (دیکھو عبارت رابعہ)

۲۔ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ سے بھی دو سلسلے چلے (الف) عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسن بصریؒ عبدالواحدؒ الخ (عبارت سادسہ) (ب) عمرؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ علقمہ بن قیسؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ سفیان ثوریؒ۔ ابراہیم بن ادہم الخ رضی اللہ عنہم (عبارت ثالثہ)

۳۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک سلسلہ چلا عثمان۔ علی۔ حسن بصری عبدالواحد رضی اللہ عنہم (عبارت سادسہ)

۴۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی دو سلسلے چلے (الف) حسن بصری عبدالواحد رضی اللہ عنہم (جیسا سلسلۂ چشتیہ میں معروف ہے) (ب) علی۔ حسین۔ علی محمد باقر۔ جعفر صادق۔ موسیٰ۔ علی۔ معروف کرخی الخ رضی اللہ عنہم (دیکھو عبارت خامسہ)

۵۔ انسؓ۔ حسن بصری۔ عبدالواحد الخ رضی اللہ عنہم۔

۶ تا ۲۴۔ ان اٹھارہ صحابہؓ سے بھی سلاسل چلے جنکا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے کیا ہے۔

۲۵۔ انکے بعد حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ سے بھی دو سلسلے چلے

(الف) حسن بصری۔ عبدالواحد رضی اللہ عنہم (سلسلۂ چشتیہ میں معروف ہے)

(ب) حسن بصریؒ۔ حبیب عجمیؒ۔ داؤد طائیؒ۔

(ختم شد)

---

[1] جسطرح سیدنا حسینؓ کی صحابیت اور فیضان صحبت بعمر ۵ سال ثابت و معتبر ہے اسی طرح حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کی تابعیت بھی اور حضرت سلمانؓ سے فیض صحبت بھی بعمر ۵ سال ثابت و معتبر ہونا چاہیئے